تفسیر
سورۃ یونس

۱۰۔سورہ یونس

نام: آیت ۹۸ میں یونس علیہ السلام کا ذکر ہوا ہے اس مناسبت سے اس سورہ کا نام یونس ہے۔

زمانۂ نزول: مکی ہے اور سورہ کے مضامین سے اندازہ ہوتا ہے کہ مکہ کے وسطی دور میں نازل ہوئی ہوگی۔

مرکزی مضمون: وحی اور رسالت کے منکرین کے شبہات کا ازالہ کرتے ہوئے یہ واضح کیا گیا ہے کہ قرآن اور پیغمبر کی اصل دعوت کیا ہے اور وہ کیوں حق ہے۔

یہ سورہ انذار و تبشیر دونوں پہلوؤں کو لئے ہوئے ہے۔

نظم کلام: سورہ کا آغاز (آیت ۱ اور ۲) اس بات سے ہوا ہے کہ قرآن ایک حکیمانہ کتاب ہے، جو ایک شخص پر اس لئے اُتاری گئی ہے تا کہ وہ لوگوں کو ان کے طرزِ عمل کے بارے میں اس بات سے آگاہ کرے، کہ دوسری زندگی میں کس طرح کے نتائج رونما ہونے والے ہیں۔

آیت ۳ تا ۷۰ میں وضاحت کے ساتھ قرآن کی دعوت پیش کی گئی ہے، اس طور سے کہ اللہ کے واحد الٰہ اور رب ہونے پر ان نشانیوں کی طرف متوجہ کیا گیا ہے، جو نہ صرف عقل کی صحیح رہنمائی کرنے والی ہیں بلکہ دلوں کو بھی مس کرتی ہیں۔ اور ان نشانیوں پر غور کرنے سے آخرت کا تصور بھی ابھرتا ہے اور قرآن کے بیان اور وحی الٰہی کی بھی تصدیق ہوتی ہے۔

دعوت کے اس مثبت پہلو کے ساتھ اس کے منفی پہلو یعنی شرک، انکارِ آخرت اور انکارِ رسالت کی بھی پُرزور طریقہ پر تردید کی گئی ہے۔

آیت ۷۱ تا ۹۳ میں دعوت قرآنی کی صداقت پر پچھلی آیتوں کی تاریخ کو شہادت میں پیش کیا گیا ہے اور منکرین کے بدترین انجام سے عبرت دلائی گئی ہے۔

آیت ۹۴ تا ۱۰۳ میں ان واقعات وحقائق کی روشنی میں منکرین کو تنبیہ کی گئی ہے کہ قرآن کا نزول شبہہ سے بالاتر ہے لہٰذا قبل اس کے کہ مہلتِ عمل ختم ہوجائے ایمان لے آو ورنہ اس کے ختم ہونے اور عذاب کے نمودار ہوجانے پر ایمان لانا کچھ بھی مفید نہ ہوگا۔

آیت ۱۰۴ تا ۱۰۹ خاتمۂ کلام ہے جس میں نبی ﷺ کی زبان سے دوٹوک انداز میں یہ اعلان کرادیا گیا ہے کہ میرا دین، دینِ توحید ہے اور حق وصداقت کی راہ یہی ہے۔ جو اس راہ کو اختیار کریں گے وہ اپنا ہی بھلا کریں گے اور جو انحراف کریں گے ان کی گمراہی ان ہی کے لئے وبال کا باعث ہوگی۔

سُوْرَةُ يُوْنُسَ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ﴿۱﴾

اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲﴾

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ۚ مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ۚ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۚ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳﴾

اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ۚ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۚ اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿۴﴾

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ۚ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۵﴾

اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ﴿۶﴾

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ﴿۷﴾

(۱۰) سورۃ یونس

آیات ۱۰۹

اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے

[۱] الف-لام-را - ۱؎ یہ آیتیں ہیں حکمت بھری کتاب کی۔ ۲؎

[۲] کیا لوگوں کو اس بات پر تعجب ہوا کہ ہم نے انہی میں سے ایک شخص پر وحی کی ۳؎ کہ لوگوں کو خبردار کردے اور ایمان لانے والوں کو خوشخبری دیدے کہ ان کیلئے ان کے رب کے پاس سچائی کا مقام ہے۔ (اس بات پر) کافروں نے کہا کہ یہ کھلا جادوگر ہے۔ ۴؎

[۳] بلاشبہ تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اوز مین کو چھ دنوں میں پیدا کیا ۵؎ - پھر عرش پر بلند ہوا ۶؎ - اور تمام معاملات کا انتظام کررہا ہے۔ (اس کے حضور) کوئی سفارش کرنے والا نہیں مگر اس کی اجازت کے بعد ۷؎- یہی اللہ تمہارا رب ہے ۸؎ -لہٰذا اس کی عبادت کرو ۹؎- پھر کیا تم نصیحت قبول نہ کروگے؟

[۴] اسی کے حضور تم سب کو لوٹ کر جانا ہے۔ یہ اللہ کا پکّا وعدہ ہے۔ بیشک وہی پیدائش کا آغاز کرتا ہے اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا تاکہ جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک کام کئے ان کو انصاف کے ساتھ جزا دے ۱۰؎۔ رہے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ۱۱؎ -تو ان کے پینے کیلئے کھولتا ہوا پانی ہوگا اور ان کو دردناک عذاب بھگتنا ہوگا، اس کفر کی پاداش میں جو وہ کرتے رہے۔

[۵] وہی ہے جس نے سورج کو تابناک بنایا اور چاند کو روشن ۱۲؎۔ اور اس کی منزلیں مقرر کردیں ۱۳؎، تاکہ تم سالوں کی گنتی اور حساب معلوم کرسکو ۱۴؎۔ اللہ نے یہ سب با مقصد بنایا ہے ۱۵؎۔ وہ اپنی نشانیوں کو کھول کر بیان کرتا ہے، ان لوگوں کیلئے جو جانتے ہیں۔ ۱۶؎

[۶] یقیناً رات اور دن کے یکے بعد دیگرے آنے میں اور ان تمام چیزوں میں، جو اللہ نے آسمانوں اور زمین میں پیدا کی ہیں۔ ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں، جو اللہ سے ڈرتے ہیں۔ ۱۷؎

[۷] جو لوگ ہم سے ملنے کی توقع نہیں رکھتے اور دنیا کی زندگی ہی پر راضی اور مطمئن ہوگئے ہیں ۱۸؎ اور جو ہمارے نشانیوں سے غافل ہیں۔

۱۔ یہ حروف مقطعات ہیں اور جیسا کہ ہم سورۂ بقرہ نوٹ ۱ میں واضح کر چکے ہیں، یہ سورۂ کے مخصوص مضامین کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔اس سورۂ میں الف کا اشارہ اللہ کی طرف ہے۔ بالفاظ دیگر توحید کے مضامین کی طرف ہے، جو مختلف آیات میں بیان ہوئے ہیں۔لام کا اشارہ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہ کی طرف یعنی اُن مضامین کی طرف ہے جن میں شرک کی نفی کی گئی ہے۔اسی طرح را کا اشارہ ربوبیت کی طرف یعنی ان مضامین کی طرف ہے جن میں اللہ کی ربوبیت کا ذکر ہوا ہے۔مثال کے طور پر آیت ۳ میں فرمایا:

ذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمۡ "یہی اللہ تمہارا رب ہے"

اور آیت ۳۲ میں ارشاد ہوا:۔

فَذٰلِکُمُ اللّٰہُ رَبُّکُمُ الۡحَقُّ "تو یہی اللہ تمہارا حقیقی رب ہے"۔

حروف مقطعات کے بارے میں ہم نے یہ بات جو کہی ہے کہ سورہ کے مخصوص مضامین کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔تو ہم نے ان حروف کے کوئی معنی متعین نہیں کئے ہیں بلکہ صرف اشارات مراد لئے ہیں اور وہ بھی سورہ کے مخصوص مضامین کی طرف۔ہم سمجھتے ہیں حروف مقطعات کے بارے میں یہی راہ سلامتی کی ہے کیوں کہ اس صورت میں آدمی ان کی غلط تاویل سے بچ جاتا ہے اور ان کو معمہ قرار دینے سے بھی۔

موجودہ ٹیکنولوجی کے دور میں بعض حضرات نے جو ان حروف کو معمہ قرار دیتے ہیں، ابجد کے لحاظ سے ان کے اعداد متعین کر کے کمپیوٹر کے ذریعہ حسابی نکتے پیدا کئے ہیں۔چنانچہ انہوں نے ۱۹؍کے عدد کو نہایت اہم قرار دیکر قرآن کی آیت عَلَیۡهَا تِسۡعَةَ عَشَرَ جہنم پر ۱۹؍فرشتے مقرر ہیں، (سورۂ المدثر) سے استدلال کیا ہے۔لیکن اس استدلال کی قلعی اس طرح کھل جاتی ہے کہ قرآن میں ۱۹؍فرشتوں کا ذکر جہنم کے تعلق سے ہوا ہے۔لہٰذا سوچنے کی بات یہ ہے کہ یہ عدد باعث برکت ہے یا باعث نکبت؟ قرآن میں دوسرے مقام پر بھی یہ ارشاد ہوا ہے کہ وَیَحۡمِلُ عَرۡشَ رَبِّکَ فوقهم یو مئِذٍ ثَمٰنِیَةٌ (اس روز تمہارے رب کا عرش آٹھ فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے۔سورہ الحاقہ) پھر آٹھ کے عدد کو کیوں نہ سب سے زیادہ اہم مان لیا جائے۔واقعہ یہ ہے کہ ۱۹؍کے عدد کو بہائی مذہب میں خاص اہمیت حاصل ہے۔چنانچہ بہائیوں کے یہاں مہینہ ۱۹؍دن کا ہوتا ہے اور سال ۱۹؍ماہ کا، اس لئے قرآن کی آیات کو ۱۹؍کے گرد گھمانا یا حروف مقطعات سے ۱۹؍کے عدد کی اہمیت پر استدلال کرنا نہ صرف تکلف ہے، بلکہ بہائی فتنہ کی تقویت کا سامان کرنا ہے۔مزید یہ کہ اس حسابی چکر نے اعداد و شمار کی بنیاد پر قیامت کی تاریخ بھی متعین کر دی ہے۔آغاز تو کمپیوٹر کے ذریعہ قرآن کو ایک معجزہ ثابت کرنے سے ہوا تھا لیکن ع

بات پہنچی قیامت تک

جب کہ قرآن میں صاف صاف کہا گیا ہے کہ قیامت کا وقت کسی کو معلوم نہیں اور یہ کہ وہ اچانک آئے گی۔

۲۔ قرآن کے حکمت بھری کتاب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی دعوت، اس کے پیش کردہ عقائد اور تاریخی واقعات کی توجیہات، نیز اس کی تعلیمات سب کی جڑیں انسانی فطرت کے اندر نہایت گہری ہیں اور عقل سلیم ان کی تائید کرتی ہے۔

قرآن کی یہ حقیقت خدا بیزار لوگوں کے اس دعوے کی تردید کرتی ہے کہ عقائد کی بنیاد عقلی جمود اور توہمات پر ہے۔یہ بات دوسری مذہبی کتابوں کے بارے میں صحیح ہوسکتی ہے لیکن قرآن کے بارے میں ہرگز صحیح نہیں۔مگر عقل کے یہ اندھے کھرے اور کھوٹے میں کوئی تمیز نہیں کرتے۔

۳۔ اس زمانے میں لوگوں کو اس بات پر تعجب ہوتا تھا کہ اللہ کی طرف سے وحی کا نزول ایک انسان پر کیسے ہوسکتا ہے اور موجودہ زمانے کے لوگوں کیلئے وحی کا تصور ہی ناقابل قبول بن گیا ہے، مگر قرآن کا اسرار کائنات پر سے پردہ اٹھانا اور زندگی کی ان گتھیوں کا سلجھانا جن کو بڑے بڑے حکیم اور فلسفی بھی نہیں سلجھا سکے۔نیز انسان کی کامل رہنمائی کا سامان کرنا اور ایسی تعلیمات پیش کرنا جو نہایت معقول اور حد درجہ اعتدال پر مبنی ہیں، اس کے وحی الٰہی ہونے کا بین ثبوت ہے۔منکرین نے وحی کے انکار میں باتیں تو بہت چھانٹی ہیں اور فلسفیانہ بحثیں بھی خوب کی ہیں، مگر وہ نہ اسرار کائنات سے پردہ اٹھا سکے ہیں، نہ زندگی کی گتھیوں

کو سلجھا سکے ہیں اور نہ ہی انسان کی رہنمائی کا سامان کر سکے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر نظریہ دوسرے نظریہ کی تردید کرتا ہے اور ہر فلسفی دوسرے فلسفی کی۔ لیکن وحی الٰہی کا معاملہ ایسا ہے کہ وہ ابدی صداقتوں پر مبنی ہے اور اس کو پیش کرنے والے (انبیاء علیہم السلام) ہمیشہ ایک ہی حقیقت کو پیش کرتے رہے ہیں اور قرآن کو پیش کرنے والا اسی سلسلے کی آخری کڑی ہے۔

۴۔ منکرین جب دیکھتے کہ قرآن کی بلاغت کے سامنے عربی کے ممتاز ادیبوں کا کلام بھی مات کھا رہا ہے۔ اور وہ دلوں کو مسخر کرتا چلا جا رہا ہے تو اس کی کوئی توجیہہ ان سے بن نہیں پڑتی، اس لئے وہ یہ شوشہ چھوڑتے کہ یہ الفاظ کی جادوگری ہے اور یہ شخص کلام کے شعبدے دکھا رہا ہے۔

۵۔ اس کی تشریح سورہ اعراف نوٹ ۸۲۔ میں گذر چکی۔

۶۔ اس کی تشریح بھی سورہ اعراف ۸۳۔ میں گذر چکی۔

۷۔ یعنی کوئی ہستی ایسی نہیں جو خدا کے فیصلوں میں دخل انداز ہوتی ہو، یا اس سے کسی کو کچھ لازماً دلوا کر رہے، یا قیامت کے دن اس کی اجازت کے بغیر کسی کی مغفرت کے لئے اس کے حضور سفارش کرے۔

اس سے مسلمانوں میں پھیلی ہوئی اس جہالت کی بھی تردید ہوتی ہے کہ فلاں ولی ''بگڑی بنانے والے ہیں'' اس لئے فریاد ان سے کی جائے اور فلاں بزرگ ہمارے گناہ بخشوا کر رہیں گے لہٰذا ''ان کا دامن نہیں چھوڑیں گے'' کا نعرہ لگایا جائے۔

۸۔ یعنی جب اللہ ہی کائنات کا خالق اور اس کا فرمانروا ہے تو تمہارا رب (مالک) اس کے سوا کوئی اور کیسے ہوسکتا ہے۔

(لفظ رب کی تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورہ فاتحہ نوٹ ۴۔)

۹۔ یعنی جب اللہ ہی تمہارا رب (مالک) ہے تو تمہاری عبادت کا مستحق بھی وہی ہے، اسی کو معبود مان کر اس کی پرستش کرو اور اس کے بندے بن کر رہو۔

(عبادت کی تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورہ فاتحہ نوٹ ۷۔)

۱۰۔ انسان کو جس مقصد کے لئے دوسری زندگی عطا کی جائے گی اس کا یہ مثبت پہلو ہے اور یہی اصل غایت ہے۔ یعنی اللہ اپنے وفادار بندوں کو ان کے اعمال کی ایسی جزا دے کہ وہ نہال ہو جائیں۔

۱۱۔ یعنی اللہ کو واحد رب مان کر اس کی عبادت کرنے کی جو دعوت قرآن پیش کر رہا ہے، اس کو قبول کرنے سے جنہوں نے انکار کیا۔

۱۲۔ متن میں سورج کے لئے ''ضیاء'' اور چاند کے لئے ''نور'' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، جو اس فرق کو واضح کرتے ہیں کہ سورج کو تیز روشنی والا بنایا ہے اور چاند کو ٹھنڈی روشنی والا۔

۱۳۔ چاند کی منزلوں سے مراد عام مشاہدوں میں آنے والی منزلیں ہیں۔ وہ گردش کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے اور اس کے گھٹنے اور بڑھنے سے مختلف شکلیں پیدا ہو جاتی ہیں اُن کو اشکالِ قمر کہتے ہیں۔ گویا چاند روزانہ ایک ایک منزل طے کرتا ہوا اپنا چکر پورا کرتا ہے۔ قرآن کا استدلال مشاہدہ میں آنے والی ان ہی شکلوں سے ہے۔

۱۴۔ چاند کی یہ شکلیں تاریخوں کے تعین کا کام دیتی ہیں۔

(مزید تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ بقرہ نوٹ ۲۵۸۔ اور سورۂ توبہ نوٹ ۷۰۔)

۱۵۔ یعنی کائنات کا یہ نظام اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ یہ کارخانہ ایک ایسی ہستی نے وجود میں لایا ہے جو نہایت حکیم اور مدبر ہے، کیوں کہ اس کے ہر ہر گوشہ سے حکمت اور تدبر کا اظہار ہو رہا ہے۔ اور یہ بات اس کائنات کے بامقصد ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ اور قرآن اس کا جو مقصد بیان کرتا ہے وہ اس حکمت سے پوری طرح ہم آہنگ ہے جو اس کائنات میں ہر طرف جلوہ گر ہے۔ مختصر یہ کہ کائنات کا یہ نظام اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس کا مالک اور فرمانروا

ایک دن عدالت برپا کریگا اور اپنے وفادار بندوں کو جزا دے گا اور سرکشوں کو سزا دے گا۔

جزا و سزا کے وقوع پر یہ بہت واضح دلیل ہے اور قرآن ان دلائل کو اس لئے پیش کرتا ہے کہ لوگ سوجھ بوجھ سے کام لیں اور حقیقت تک پہنچنا ان کے لئے آسان ہو۔ اس کے باوجود موجودہ دور کے مادہ پرست اسلام اور دوسرے مذاہب میں امتیاز نہیں کرتے اور یہ خیال کرتے ہیں کہ آخرت کا عقیدہ بھی نرا ''عقیدہ'' ہے جس کی پشت پر کوئی عقلی دلیل نہیں ہے۔ اگر یہ لوگ کھلے ذہن سے قرآن کا مطالعہ کرتے تو انہیں معلوم ہوجاتا کہ قرآن جب بنیادی عقائد کو پیش کرتا ہے تو اس کا انداز استدلال اور قلب و ذہن کو اپیل کرنے والا ہوتا ہے اس لئے اس کی راہ عقل و بصیرت کی راہ ہے۔

۱۶۔ یعنی ان نشانیوں سے فائدہ وہی لوگ اٹھاتے ہیں جو جاہل بنے نہیں رہتے بلکہ اس علم کی روشنی میں تحقیق اور جستجو کا سفر طے کرتے ہیں جو اللہ نے ان کی فطرت میں ودیعت کیا ہے۔

۱۷۔ یعنی کائنات میں پھیلی ہوئی ان نشانیوں سے وہی لوگ رہنمائی حاصل کرتے ہیں جو اپنے خالق سے ڈرتے ہیں۔ کیوں کہ خالق کی پہچان ہر شخص کی فطرت میں ودیعت ہے اور اس کے تصور سے لازماً اس کا خوف پیدا ہوتا ہے لیکن جو لوگ اپنی فطرت کو اس حد تک مسخ کر چکے ہوں کہ نہیں جانتے ان کا کوئی خالق بھی ہے ان کے اندر نہ اس کا خوف پیدا ہوسکتا ہے اور نہ ان کے اندر رہنمائی قبول کرنے کی صلاحیت باقی رہتی ہے۔

۱۸۔ موجودہ دور کے خدا بیزار لوگ دنیا سے بہت زیادہ مطمئن نظر آتے ہیں۔ وہ ''معاد'' پر نہیں بلکہ ''معاش'' پر یقین رکھتے ہیں۔ ان کو اخلاقی ترقی سے دلچسپی نہیں ہوتی البتہ مادی ترقی سے بہت خوش ہوتے ہیں۔ ان کا دماغ دنیا بھر کی معلومات کیلئے کمپیوٹر ہوتا ہے مگر ان کا دل آخرت کے معاملہ میں ایک زنگ آلود مشین۔ ایسے لوگ اپنی ''خوش فہمیوں'' پر بڑے نازاں ہوتے ہیں، مگر کب تک؟

❑❑❑❑❑❑

أُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٨﴾

[8] ان کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا اس کمائی کی وجہ سے جو وہ کرتے ہیں۔۱۹؎

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ يَهْدِيهِمْ رَبُّهُم
بِإِيمَانِهِمْ ۖ تَجْرِي مِن تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ﴿٩﴾

[9] جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے ان کا رب ان کے ایمان کی بدولت ان کو کامیابی کی منزل پر پہنچائے گا ۲۰؎۔ ان کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی نعمت بھری جنتوں میں۔

دَعْوَاهُمْ فِيهَا سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ ۚ وَآخِرُ
دَعْوَاهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٠﴾

[10] وہاں ان کی پکار ہوگی سُبحانَکَ اللّٰھُمَّ (پاک ہے تو اے اللہ) اور وہاں ان کا (آپس میں) دعائیہ کلمہ ہوگا ''سلام'' اور ان کی پکار کا خاتمہ ہوگا اَلحَمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العَالَمِینَ۔ (حمد و شکر ہے اللہ رب العالمین کیلئے) ۲۱؎۔

وَلَوْ يُعَجِّلُ اللَّهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُم بِالْخَيْرِ
لَقُضِيَ إِلَيْهِمْ أَجَلُهُمْ ۖ فَنَذَرُ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا فِي
طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿١١﴾

[11] اگر اللہ لوگوں کو عذاب دینے میں سبقت کرتا جس طرح خیر کے معاملہ میں وہ ان کیلئے سبقت کرتا ہے تو ان کی مدت کبھی کی ختم کر دی گئی ہوتی۔ مگر ہم ان لوگوں کو جو ہم سے ملنے کی توقع نہیں رکھتے چھوڑ دیتے ہیں کہ اپنی سرکشیوں میں بھٹکتے رہیں۔ ۲۲؎

وَإِذَا مَسَّ الْإِنسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنبِهِ أَوْ قَاعِدًا أَوْ قَائِمًا
فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهُ مَرَّ كَأَن لَّمْ يَدْعُنَا إِلَىٰ ضُرٍّ
مَّسَّهُ ۚ كَذَٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٢﴾

[12] اور انسان (کا حال یہ ہے کہ جب اس) کو تکلیف پہنچتی ہے تو لیٹے، بیٹھے، کھڑے (جس حال میں ہوتا ہے) ہم کو پکارنے لگتا ہے لیکن جب ہم اس کی تکلیف کو دور کر دیتے ہیں تو اس طرح چل دیتا ہے کہ گویا اس نے کسی تکلیف میں ہمیں پکارا ہی نہ تھا۔ اس طرح حد سے گذرنے والوں کیلئے ان کے کام خوشنما بنا دیئے گئے ہیں ۲۳؎

وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا الْقُرُونَ مِن قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوا ۙ وَجَاءَتْهُمْ
رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ وَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا ۚ كَذَٰلِكَ نَجْزِي
الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ ﴿١٣﴾

[13] تم سے پہلے ہم (کتنی ہی) قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں جب کہ انہوں نے ظلم کیا۔ ۲۴؎ ان کے رسول ان کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے تھے مگر وہ ہرگز ایمان لانے والے نہ تھے۔ اس طرح ہم مجرم قوم کو بدلہ دیتے ہیں۔

ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ مِن بَعْدِهِمْ لِنَنظُرَ كَيْفَ
تَعْمَلُونَ ﴿١٤﴾

[14] پھر ان کے بعد ہم نے تم کو زمین میں خلیفہ (با اختیار) بنایا تا کہ دیکھیں تم کیسے کام کرتے ہو۔ ۲۵؎

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ ۙ قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ
لِقَاءَنَا ائْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَٰذَا أَوْ بَدِّلْهُ ۚ قُلْ مَا يَكُونُ لِي
أَنْ أُبَدِّلَهُ مِن تِلْقَاءِ نَفْسِي ۖ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ ۖ
إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿١٥﴾

[15] اور جب ہماری واضح آیتیں انہیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ لوگ جو ہم سے ملنے کی توقع نہیں رکھتے کہتے ہیں کہ اس قرآن کے بجائے کوئی اور قرآن لاؤ یا اس میں ترمیم کرو۔ ۲۶؎ کہو میرا یہ کام نہیں کہ اس میں اپنی طرف سے ردّ و بدل کروں۔ میں تو اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف کی جاتی ہے۔ ۲۷؎ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے ایک سخت دن کے عذاب کا ڈر ہے۔ ۲۸؎

۱۹۔ دنیا میں آدمی جو کام بھی کرتا ہے اس کا اثر ضرور مرتب ہوتا ہے۔ آدمی خیر کے کام کرے یا شر کے، ان کے اثرات کو وہ اپنے دامن میں لازماً سمیٹتے رہتا ہے۔ گویا یہ اس کے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے۔ اور یہ کمائی قیامت کے دن نتائج کی شکل میں اس کے سامنے نمودار ہوگی۔

۲۰۔ یہ ایمان کا ثمرہ بیان کیا گیا ہے، نہ کہ محض عقیدہ کا، کیوں کہ عقیدہ تو آدمی مسلمان گھرانے میں پیدا ہونے کی بنا پر اختیار کرتا ہے۔ اور اس بنا پر مسلم سماج کا فرد بنا رہتا ہے، جب کہ ایمان ایک ذہنی اور شعوری فیصلہ ہوتا ہے۔ جس طرح ایک بلب اسی صورت میں روشنی دیتا ہے جب کہ اس میں برقی رو دوڑ رہی ہو، اسی طرح عقیدہ اسی وقت اپنا اثر دکھاتا ہے جب کہ اس میں ایمان کی روح موجود ہو۔ عقیدہ غیبی حقیقتوں کے اقرار کا نام ہے، جب کہ ایمان صحیح عقیدہ کی دل سے تصدیق اور یقین کی وہ کیفیت ہے، جو انسان کے باطن کو سنوارتی اور سوچنے اور فیصلہ کرنے کی ایک خاص قوت اسے عطا کرتی ہے۔

۲۱۔ یعنی اہل ایمان جنت کی نعمتوں میں ایسے مگن نہیں ہوں گے کہ اپنے رب کو بھول جائیں۔ بلکہ ان کی زبان پر تسبیح اور حمد کے کلمات جاری ہوں گے اور وہ ان نعمتوں کو پا کر اللہ کا شکر ادا کریں گے۔ اسی طرح جب وہ آپس میں ملیں گے تو نہ کوئی کسی کو برا بھلا کہے گا، اور نہ لڑائی جھگڑا کرے گا، بلکہ سب ایک دوسرے کی سلامتی چاہیں گے اور سلام کے دعائیہ کلمہ کے ساتھ ایک دوسرے کا خیر مقدم کریں گے۔

غرضیکہ جنت کی فضا حمد وثنا کی صداؤں اور دعائیہ کلمات سے گونج اٹھے گی۔ قلبی سکون اور روحانی لذتوں کے لئے کتنا بہترین ماحول ہوگا وہ!

۲۲۔ یہ اس سوال کا جواب ہے جو جزا وسزا کے منکرین پیش کرتے ہیں۔ وہ یہ کہ اگر انکار حق یا گناہوں کے ارتکاب پر اللہ کی طرف سے کوئی سزا ملنا ہے تو وہ فوراً کیوں نہیں ملتی؟ اس کا جواب یہاں دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو فائدہ پہنچانے میں جو سبقت کرتا ہے وہ نقصان پہنچانے میں نہیں کرتا، کیوں کہ وہ چاہتا ہے کہ انسانوں کو سنبھلنے اور اپنی اصلاح کرنے کا موقع دیا جائے۔ اگر اللہ کی سنت یہ نہ ہوتی تو لوگوں کی مہلت عمل کبھی کی ختم ہوگئی ہوتی۔ مگر جو لوگ اس مہلت سے غلط فائدہ اٹھاتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو بھٹکنے کے لئے چھوڑ دیتا ہے تا کہ ان کا پیمانہ لبریز ہو جائے۔

۲۳۔ یعنی جو لوگ اللہ کے قائم کردہ حدود سے تجاوز کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ بے قید زندگی گذاریں، وہ ان حادثات اور واقعات سے کوئی سبق نہیں لیتے جو روزمرہ کی زندگی میں پیش آتے رہتے ہیں۔ اور جن میں ان کو غفلت سے بیدار کرنے کا سامان ہوتا ہے۔ مگر وہ اپنے کرتوتوں کی ایسی خوبصورت توجیہہ کرتے رہتے ہیں کہ اصلاح کے لئے آمادگی ان کے اندر پیدا ہو ہی نہیں پاتی۔

۲۴۔ ظلم سے مراد وہ غلط طرزِ عمل ہے جو اللہ کی نشانیوں، اس کے رسول اور اس کی ہدایت کو جھٹلا کر انسان اختیار کرتا ہے۔

۲۵۔ دنیا سے جب ایک قوم رخصت ہوتی ہے تو دوسری قوم اس کی جگہ لے لیتی ہے۔ اس طرح تسلسل کے ساتھ قوموں کو میدان عمل میں لانے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ وہ ایک سے بڑھ کر ایک مادی کارنامے دکھائیں۔ بلکہ مقصود امتحان ہے کہ کون خدا کا بندہ بن کر رہتا ہے اور کون اس کا سرکش بن کر، کونسی قوم خدا شناس تہذیب کو جنم دیتی ہے اور کونسی قوم خدا ناشناس تہذیب کو، کونسی قوم نیکیوں کو پروان چڑھاتی ہے اور کونسی قوم برائیوں کو، کونسی قوم مادی ترقی میں اخلاق وشرعی حدود کی پابندی کرتی ہے اور کونسی قوم ان حدود وقیود سے آزاد ہوکر مادی ترقی کے لئے چھلانگ لگاتی ہے۔

۲۶۔ مشرکین چاہتے تھے کہ اگر قرآن پیش کرنا ہی ہے تو ایسا قرآن پیش کرو جس میں بت پرستی کے خلاف کچھ نہ کہا گیا ہو۔ یا پھر موجودہ قرآن میں ایسی ترمیم کرو کہ مشرکانہ تہذیب کے لئے بھی گنجائش نکل آئے۔ موجودہ زمانے کے منکرین بھی یہ چاہتے ہیں کہ اگر اصل قرآن میں نہیں، تو کم ازکم اس کے معنی ومفہوم ہی میں ایسی تبدیلی کی جائے کہ وہ زمانے کے رجحانات کے مطابق بن جائے اور مشرکانہ مذاہب کو انگیز کرنے کے لئے بھی گنجائش نکل آئے۔

۲۷۔ لوگ قرآن میں ترمیم کی تجویز یہ سمجھ کر پیش کرتے ہیں کہ یہ حضرت محمد ﷺ کی تصنیف ہے۔ حالانکہ یہ آپ کی نہیں بلکہ خدا کی تصنیف ہے۔ اور خدا کی تصنیف میں ردوبدل کرنے کا حق کسی کو نہیں ہوسکتا، خواہ وہ اس کا پیغمبر ہی کیوں نہ ہو۔

۲۸۔ یعنی قیامت کے دن کے عذاب کا۔

قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ
فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿١٦﴾

۱۶ کہو اگر اللہ چاہتا تو نہ تمہیں قرآن سنا سکتا تھا اور نہ وہ اس سے تمہیں باخبر کرتا۔ میں اس سے پہلے تمہارے درمیان ایک عمر گذار چکا ہوں۔ کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟ ۲۹؎

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ
اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿١٧﴾

۱۷ پھر اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو ایک جھوٹی بات بنا کر اللہ کی طرف منسوب کرے یا اس کی آیتوں کو جھٹلائے۔ ۳۰؎ یقیناً مجرم کبھی کامیاب نہیں ہوں گے۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ
وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ
اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ؕ
سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿١٨﴾

۱۸ یہ اللہ کے بجائے ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہیں جو ان کو نہ نقصان پہنچا سکتی ہیں اور نہ فائدہ۔ اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔ ۳۱؎ کہو کیا تم اللہ کو ایسی بات کی خبر دیتے ہو جسے وہ نہیں جانتا نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں۔ ۳۲؎ پاک اور بلند ہے وہ اس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔

وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ؕ وَلَوْلَا
كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ
يَخْتَلِفُوْنَ ﴿١٩﴾

۱۹ سب لوگ ایک ہی اُمّت تھے پھر انہوں نے اختلاف کیا۔ ۳۳؎ اور اگر تمہارے رب کی طرف سے ایک بات پہلے ہی طے نہ ہو چکی ہوتی، تو جن باتوں میں وہ اختلاف کر رہے ہیں ان کا فیصلہ کر دیا جاتا۔ ۳۴؎

وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ
فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا ۚ اِنِّيْ مَعَكُمْ
مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿٢٠﴾

۲۰ اور (یہ لوگ) کہتے ہیں کہ اس پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی ۳۵؎ کیوں نہ اتاری گئی۔ تو کہو غیب کا مختار اللہ ہی ہے۔ ۳۶؎ پس انتظار کرو۔ ۳۷؎ میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔

وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ
فِيْٓ اٰيَاتِنَا ؕ قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا ؕ اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ﴿٢١﴾

۲۱ اور جب ہم لوگوں کو تکلیف کے بعد رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ ہماری نشانیوں کے بارے میں چالیں چلنے لگتے ہیں ۳۸؎۔ کہو اللہ اپنی تدبیر میں بہت تیز ہے۔ ۳۹؎ اس کے فرستادے تمہاری چال بازیوں کو قلمبند کر رہے ہیں۔ ۴۰؎

هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ۚ وَ
جَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ
وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا
اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ
مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿٢٢﴾

۲۲ وہی ہے جو تمہیں خشکی اور تری میں چلاتا ہے۔ ۴۱؎ یہاں تک کہ جب تم کشتیوں میں سوار ہوتے ہو اور وہ موافق ہوا پا کر چل رہی ہوتی ہیں اور سفر کرنے والے خوش ہو رہے ہوتے ہیں۔ اچانک تند ہوا چلنے لگتی ہے اور ہر طرف سے موجیں اٹھتی ہیں اور وہ خیال کرنے لگتے ہیں کہ مصیبت میں گھر گئے۔ اس وقت وہ اللہ کو پکارنے لگتے ہیں دین (عاجزی و بندگی) کو اس کے لئے خالص کرتے ہوئے ۴۲؎، کہ اگر تو نے اس (مصیبت) سے ہمیں نجات دی تو ہم ضرور تیرے شکر گذار بنیں گے۔

۲۹۔ نبی ﷺ پر قرآن کے نزول کا آغاز اس وقت ہوا جب کہ آپ کی عمر چالیس سال تھی۔عمر کا یہ طویل حصہ آپ مکہ والوں کے درمیان گذار چکے تھے۔اس مدت میں آپ کی سیرت بے داغ رہی اور کسی نے بھی آپ کی سچائی اور امانت داری کے خلاف شبہ تک کا اظہار نہیں کیا۔بلکہ آپ امین کے لقب سے پکارے گئے۔پھر اگر اس تمام مدت میں آپ صداقت شعار اور امین رہے تو ایسے شخص سے یہ کیونکر ممکن ہے کہ وہ اکتالیسویں برس میں داخل ہوتے ہی جھوٹ بولنے لگے گا اور وہ بھی خدا پر۔

پھر یہ بھی واقعہ ہے کہ آپ نے چالیس سال کی اس مدت میں کوئی ایسی بات نہیں کی،جس سے یہ شبہ پیدا ہوتا کہ آپ مذہبی مصلح کی حیثیت سے اُبھرنا چاہتے ہیں یا قوم کی قیادت وسیادت چاہتے ہیں۔یا لوگوں کو محسوس کرانا چاہتے ہیں کہ آپ ایک غیر معمولی اور عبقری شخصیت ہیں۔ایسا شخص چالیس سال گذارنے کے بعد نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیسے کر سکتا ہے جب کہ اس عمر میں انسانی ذہن ایک خاص سانچے میں ڈھل چکا ہوتا ہے۔اور ایک مزاج بن چکا ہوتا ہے؟

معترضین ان سوالوں کا جواب آج تک نہیں دے سکے ہیں۔

۳۰۔ اس کی تشریح سورۂ انعام نوٹ ۴۰ میں گذر چکی۔

۳۱۔ ''یہ اللہ کے یہاں ہمارے سفارشی ہیں'' یعنی یہ ہماری فریاد خدا تک پہنچانے اور اس سے رزق، دولت، اولاد وغیرہ دلوانے میں ہمارے لئے ''واسطہ اور وسیلہ'' ہیں۔یہ ''واسطے اور وسیلے'' ہماری پکار سنتے ہیں اور خدا سے ہمارے لئے بہت کچھ منوا لیتے ہیں۔

یہ تصور مشرکین مکہ کا اپنے بتوں کے بارے میں تھا اور اس بنا پر وہ ان کی پرستش کرتے اور ان پر چڑھاوے چڑھاتے۔کچھ ایسا ہی تصور مسلمانوں کے ایک بہت بڑے طبقے میں بزرگان دین کے بارے میں، جو غلو کا شکار ہے ''پیروں اور ولیوں'' کے بارے میں پیدا ہو گیا ہے۔چنانچہ وہ ان کو خدا کے حضور ''واسطہ اور وسیلہ'' قرار دے کر ان سے فریاد کرنے لگتے ہیں، بڑے اہتمام سے ان کی نذر و نیاز کرتے ہیں اور ان کی قبروں پر چڑھاوے چڑھاتے ہیں۔اور یہ سب کچھ کرنے کے باوجود سمجھتے ہیں کہ ہم ان کی پرستش تھوڑی کر رہے ہیں۔بقول حالی:۔

کرے غیر بت کی پوجا تو کافر — جو ٹھہرائے بیٹا خدا کا تو کافر
کہے آگ کو اپنا قبلہ تو کافر — کواکب کو مانے کرشمہ تو کافر
مگر مومنوں پر کشادہ ہیں راہیں — پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں

اور علامہ رازی نے اپنی تفسیر میں بالکل صحیح لکھا ہے:۔

'' مشرکین نے یہ بت انبیاء اور بزرگوں کی صورتوں پر بنالئے اور اس زعم میں مبتلا ہوئے کہ جب وہ ان بتوں کی پرستش کریں گے تو یہ بزرگ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہوں گے۔اس زمانے میں اس کی مثال بہت سے لوگوں کا بزرگوں کی قبروں کی تعظیم میں مشغول ہو جانا ہے، اس اعتقاد کے ساتھ کہ ان کی قبروں کی تعظیم کرنے کی صورت میں وہ اللہ کے ہاں ان کے سفارشی ہونگے۔'' (التفسیر الکبیر ج ۱۷ ص ۶۰)

۳۲۔ جس چیز کا خدا کو علم نہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز سرے سے اپنا وجود رکھتی ہی نہیں۔اور جب آسمان اور زمین میں ان ''سفارشیوں'' کے وجود کا کوئی پتہ اللہ تعالیٰ کو نہیں ہے تو ان کی حقیقت اس کے سوا کیا ہے کہ وہ مشرکین کے اپنے ذہن کی پیداوار ہیں۔اور یہ بات بھی بہت عجیب ہے کہ اللہ تعالیٰ خود فرما رہا ہے کہ اس کے ہاں کوئی سفارشی نہیں ہے۔بلکہ براہ راست وہ اپنے بندوں کی قسمتوں کے فیصلے چکاتا ہے لیکن جن کی گھٹی میں شرک پڑا ہوا ہے وہ اس پر اصرار کئے جارہے ہیں کہ فلاں اور فلاں اللہ کے حضور ہمارے سفارشی ہیں۔گویا ان کا علم اللہ کے علم سے بڑھ کر ہے اور وہ اس کو ایک ایسی بات کی خبر دینا چاہتے ہیں جس کو وہ نہیں جانتا نَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ۔

۳۳۔ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ بقرہ نوٹ ۳۰۸ اور ۳۰۹ نیز سورۂ انعام نوٹ ۲۹۵۔

۳۴۔ مذاہب کے اختلاف کو دیکھ کر یہ سوال ذہنوں میں پیدا ہوتا ہے کہ خدا دنیا میں عدالت برپا کر کے اس اختلاف کا فیصلہ کیوں نہیں فرماتا؟ اس کا جواب اس آیت میں دیا گیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس فیصلہ کیلئے اللہ تعالیٰ نے قیامت کا دن مقرر کر رکھا ہے۔ دنیا میں تو انسان کا امتحان ہے کہ وہ مذاہب کے اختلافات کے درمیان اپنی عقل کا صحیح استعمال کر کے اور اپنی فطرت کی آواز کو سن کر، نیز ان نشانیوں اور دلائل سے رہنمائی حاصل کر کے جو اللہ تعالیٰ نے اتاری ہیں، دینِ حق کو قبول کرتا ہے یا نہیں۔ اگر مذاہب کے اختلافات کا فیصلہ دنیا ہی میں چکا دیا گیا ہوتا، تو پھر انسان کا امتحان کس طرح ہوسکتا تھا اور اس کو جزا یا سزا اس کے کس عمل پر دی جاتی؟

۳۵۔ مراد محسوس معجزہ ہے۔

۳۶۔ یعنی غیب کا علم بھی اللہ ہی کو ہے اور غیب سے کوئی چیز برآمد کرنا بھی اسی کے اختیار میں ہے۔ میں نہ غیب کا علم رکھتا ہوں اور نہ غیب کی کوئی چیز میرے اختیار میں ہے کہ اسے منظر عام پر لاؤں اور تمہارا مطالبہ پورا کروں۔ واضح ہوا کہ ایک نبی اپنی طرف سے معجزہ دکھانے پر قادر نہیں ہوتا تو ایک ولی اپنی طرف سے کرامت دکھانے پر کس طرح قادر ہوسکتا ہے؟ درحقیقت اللہ کے اِذن کے بغیر کوئی کچھ نہیں کرسکتا۔

۳۷۔ انتظار اس بات کا کہ تمہارے اس بیجا اصرار کا نتیجہ کیا نکلتا ہے۔

۳۸۔ اجتماعی اور قومی سطح پر جو حادثات اور دکھ درد کے جو واقعات پیش آتے ہیں، وہ اپنے پہلو میں ایسی تنبیہات اور علامتوں کو لئے ہوئے ہوتے ہیں، جو لوگوں کے ضمیر کو جگانے والی دنیا کی اصل حقیقت کی طرف رہنمائی کرنے والی اور خدا کی طرف متوجہ کرنے والی ہوتی ہیں۔ مگر جو لوگ خدا اور اس کی رہنمائی کو قبول نہ کرنے کی قسم کھا بیٹھتے ہیں، وہ ان حادثات و واقعات کی ایسی توجیہ کرنے لگتے ہیں کہ ذہن خدا کی طرف مڑنے ہی نہیں پاتا۔ اگر بُرے حالات میں خدا یاد آ گیا تھا تو اچھے حالات کے پیش آجانے پر وہ اپنے اس احساسات کو دبانے کی کوشش کرتے ہیں، تا کہ ان پر خدا اور آخرت کے تعلق سے کوئی ذمہ داری عائد نہ ہو۔ یہی ان کی مجرمانہ حرکتیں ہیں جن کو چالیں چلنے سے تعبیر کیا گیا ہے۔

۳۹۔ یعنی تمہاری ان چالوں کا وہ بخوبی توڑ کر رہا ہے۔ مگر اس کی تدبیریں مخفی ہوتی ہیں اس لئے لوگ اس خیال خام میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ خدا ان کی باتوں کا کوئی نوٹس نہیں لے رہا ہے۔

۴۰۔ یعنی تمہاری یہ حرکتیں فرشتے لکھ رہے ہیں۔ اور اس لئے لکھ رہے ہیں۔ تا کہ قیامت کے دن اللہ کی عدالت میں تمہارے خلاف مقدمہ چلایا جائے۔

۴۱۔ یعنی وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہیں اس قابل بنایا کہ خشکی اور تری کا سفر کرسکو۔ موجودہ زمانے میں انسان جو ہوائی سفر کرتا ہے وہ بھی اس کی بخشی ہوئی صلاحیت کا نتیجہ ہے۔

۴۲۔ یعنی اس حالت میں وہ پوری عاجزی کے ساتھ صرف اللہ سے دعا مانگنے لگتے ہیں اور اپنے ٹھہرائے ہوئے خداؤں کو بھول جاتے ہیں۔ مشرکین مکہ کا بھی یہی حال تھا۔ اور انتہائی مصیبت میں ایک خدا کو پکارنا اس بات کی دلیل ہے کہ انسان کی فطرت خدائے واحد ہی سے آشنا ہے۔

دنیا کی زندگی کی مثال ایسی ہے جیسے آسمان سے ہم نے پانی برسایا جس سے
زمین کی نباتات جس کو انسان اور مویشی کھاتے ہیں خوب ابھر آئیں ۔ یہاں
تک کہ جب زمین نے اپنا سنگھار کرلیا اور بن سنور کر کھڑی ہوگئی ۔اور اس کے
مالکوں نے سمجھ لیا کہ اب ہم فائدہ اٹھاسکیں گے تو اچانک رات یا دن کے وقت
ہمارا حکم آ گیا۔اور ہم نے اس کا ایسا صفایا کردیا کہ گویا کل وہاں کچھ تھا ہی نہیں۔
اس طرح ہم اپنی نشانیاں کھول کھول کر بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لئے جو
غور وفکر کرتے ہیں۔اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے۔اور جسے چاہتا ہے
سیدھے راستہ پر لگا دیتا ہے۔(القرآن)

فَلَمَّآ اَنۡجٰهُمۡ اِذَا هُمۡ يَبۡغُوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ بِغَيۡرِ الۡحَـقِّ‌ؕ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ
اِنَّمَا بَغۡيُكُمۡ عَلٰٓى اَنۡفُسِكُمۡ‌ۙ مَّتَاعَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا‌ ثُمَّ اِلَـيۡنَا مَرۡجِعُكُمۡ
فَنُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۲۳﴾

۲۳ مگر جب وہ ان کو نجات دیتا ہے تو وہ ناحق زمین میں سرکشی کرنے لگتے ہیں ۴۳۔ لوگو! تمہاری سرکشی تمہارے ہی خلاف پڑ رہی ہے۔ دنیا کی زندگی کا فائدہ اٹھالو۔ پھر تمہیں ہماری طرف واپس آنا ہے۔ اس وقت ہم بتائیں گے کہ تم کیا کچھ کرتے رہے ہو۔

اِنَّمَا مَثَلُ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا كَمَآءٍ اَنۡزَلۡنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخۡتَلَطَ
بِهٖ نَبَاتُ الۡاَرۡضِ مِمَّا يَاۡكُلُ النَّاسُ وَالۡاَنۡعَامُ ؕ حَتّٰٓى اِذَاۤ
اَخَذَتِ الۡاَرۡضُ زُخۡرُفَهَا وَازَّيَّنَتۡ وَظَنَّ اَهۡلُهَاۤ اَنَّهُمۡ
قٰدِرُوۡنَ عَلَيۡهَاۤ ۙ اَتٰٮهَاۤ اَمۡرُنَا لَيۡلًا اَوۡ نَهَارًا فَجَعَلۡنٰهَا
حَصِيۡدًا كَاَنۡ لَّمۡ تَغۡنَ بِالۡاَمۡسِ‌ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ
الۡاٰيٰتِ لِقَوۡمٍ يَّتَفَكَّرُوۡنَ ﴿۲۴﴾

۲۴ دنیا کی زندگی کی مثال ایسی ہے جیسے آسمان سے ہم نے پانی برسایا جس سے زمین کی نباتات جس کو انسان اور مویشی کھاتے ہیں خوب ابھر آئیں۔ یہاں تک کہ جب زمین نے اپنا سنگھار کر لیا اور بن سنور کر کھڑی ہوگئی ۴۴۔ اور اس کے مالکوں نے سمجھ لیا کہ اب ہم فائدہ اٹھاسکیں گے تو اچانک رات یا دن کے وقت ہمارا حکم آگیا ۴۵۔ اور ہم نے اس کا ایسا صفایا کر دیا کہ گویا کل وہاں کچھ تھا ہی نہیں ۴۶۔ اس طرح ہم اپنی نشانیاں کھول کھول کر بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر کرتے ہیں۔ ۴۷

وَاللّٰهُ يَدۡعُوۡۤا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِؕ وَيَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ
اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴿۲۵﴾

۲۵ اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے ۴۸۔ اور جسے چاہتا ہے سیدھے راستہ پر لگا دیتا ہے۔ ۴۹

لِلَّذِيۡنَ اَحۡسَنُوا الۡحُسۡنٰى وَزِيَادَةٌ ؕ وَلَا يَرۡهَقُ وُجُوۡهَهُمۡ قَتَرٌ وَّلَا
ذِلَّةٌ ؕ اُولٰٓـئِكَ اَصۡحٰبُ الۡجَـنَّةِ‌ ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۲۶﴾

۲۶ جن لوگوں نے نیک روی اختیار کی ان کیلئے نیک بدلہ ہے اور مزید فضل ۵۰۔ ان کے چہروں پر نہ سیاہی چھائے گی اور نہ ذلت یہی جنت والے ہیں۔ ہمیشہ اس میں رہنے والے۔

وَالَّذِيۡنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍ ۢ بِمِثۡلِهَا ۙ وَتَرۡهَقُهُمۡ ذِلَّةٌ ؕ
مَا لَهُمۡ مِّنَ اللّٰهِ مِنۡ عَاصِمٍ‌ ۚ كَاَنَّمَاۤ اُغۡشِيَتۡ وُجُوۡهُهُمۡ قِطَعًا
مِّنَ الَّيۡلِ مُظۡلِمًا ؕ اُولٰٓـئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ‌ ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۲۷﴾

۲۷ اور جن لوگوں نے برائیاں کمائیں تو برائی کا بدلہ ویسا ہی ملے گا جیسی برائی کی ہوگی۔ ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی۔ اللہ سے بچانے والا ان کو کوئی نہ ہوگا۔ ان کے چہروں پر اس طرح تاریکی چھائی ہوئی ہوگی کہ گویا اندھیری رات کے پردوں سے انہیں ڈھانک دیا گیا ہو ۵۱۔ یہ دوزخ والے ہیں ہمیشہ رہنے والے۔

وَيَوۡمَ نَحۡشُرُهُمۡ جَمِيۡعًا ثُمَّ نَقُوۡلُ لِلَّذِيۡنَ اَشۡرَكُوۡا مَكَانَكُمۡ
اَنۡتُمۡ وَشُرَكَآؤُكُمۡ‌ ۚ فَزَيَّلۡنَا بَيۡنَهُمۡ‌ وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمۡ
مَّا كُنۡتُمۡ اِيَّانَا تَعۡبُدُوۡنَ‏ ﴿۲۸﴾

۲۸ جس دن ہم سب کو اکٹھا کریں گے۔ پھر شرک کرنے والوں سے کہیں گے ٹھہر جاؤ تم اور تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریک۔ پھر ہم ان کے درمیان جدائی ڈال دیں گے ۵۲۔ اور ان کے شریک کہیں گے کہ تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔

فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيۡدًاۢ بَيۡنَنَا وَبَيۡنَكُمۡ اِنۡ كُنَّا عَنۡ عِبَادَتِكُمۡ
لَغٰفِلِيۡنَ‏ ﴿۲۹﴾

۲۹ اللہ ہمارے اور تمہارے درمیان گواہی کے لئے کافی ہے کہ ہم تمہاری عبادت سے بالکل بے خبر تھے۔ ۵۳

۴۳۔ یہ اس بات کی مثال ہے کہ انسان مصیبت میں خدا کو یاد کرتا ہے، لیکن مصیبت کے ٹل جانے پر اس کو بھول جاتا ہے۔

۴۴۔ جب کھیتی ہری بھری ہو کر لہلہانے لگتی ہے۔ اور فصل پک کر تیار ہو جاتی ہے، تو منظر بڑا دلفریب ہوتا ہے۔ اور کھیتی کا مالک اسے امید بھری نگاہوں سے دیکھنے لگتا ہے۔

۴۵۔ مراد آفت ہے جو خدا کے حکم سے آتی ہے۔

۴۶۔ یعنی آناً فاناً کھیتی اس طرح تہس نہس ہو گئی کہ گویا اس کا وجود تھا ہی نہیں۔ اس قسم کے حادثات آئے دن پیش آتے رہتے ہیں۔ کبھی طوفان کی وجہ سے تباہ کاری آتی ہے، تو کبھی سیلاب کی وجہ سے اور کبھی کسی اور وجہ سے۔ اس تمثیل سے یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ جس طرح ایک لہلہاتی کھیتی کی رونق عارضی ہوتی ہے اس طرح اس جگمگاتی دنیا کی رونق بھی عارضی ہے، اور جس طرح اللہ کا حکم آتے ہی کھیتی کا صفایا ہو جاتا ہے اسی طرح اس کا حکم آنے پر ایک دن دنیا کا صفایا ہو جائے گا۔ اور جب دنیا کا یہ انجام ہونے والا ہے، تو دانشمندی کا تقاضا ہے کہ آدمی آنے والی دنیا (آخرت) کو نصب العین بنا کر جائز حدود میں زندگی بسر کرے، تا کہ وہ ابدی نعمتوں کا مستحق بن سکے۔

۴۷۔ قرآن دنیا کی اس حقیقت کو پیش کرنے کے ساتھ اس پر غور و فکر کی دعوت بھی دیتا ہے۔ یعنی اس معاملہ میں اس کا اپروچ (Approach) عقلی (Rational) اور استدلالی (Argumentative) ہے، نہ کہ ایک عقیدہ کو غیر عقلی طریقہ پر منوانے کا۔ اور یہ وہ بنیادی بات ہے جو اسے دوسرے مذاہب سے ممتاز کرتی ہے۔

۴۸۔ مراد جنت ہے۔ اسے سلامتی کا گھر اس لئے کہا گیا ہے کہ وہاں انسان ہر قسم کی آفتوں اور ہر قسم کے دکھ درد سے محفوظ ہوگا۔ نیز وہاں آپس میں نہ کوئی جھگڑا ہوگا اور نہ لڑائی، بلکہ وہاں کی سوسائٹی امن پسند سوسائٹی ہوگی۔ اور وہاں کی فضا بالکل پر امن ہوگی۔

۴۹۔ یعنی جہاں تک سلامتی کے گھر (جنت) کی طرف بلانے کا تعلق ہے، یہ دعوت عام ہے۔ لیکن اس راہ پر چلنا جو سیدھی جنت کو جاتی ہے ان ہی لوگوں کو نصیب ہوتا ہے جن کو اللہ اس کی توفیق دیتا ہے۔

۵۰۔ یعنی ان کو ان کی نیکیوں کا اچھا بدلہ تو ملے گا ہی۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے فضل سے مزید نوازے گا۔ قرآن میں دوسری جگہ فرمایا گیا ہے۔

لِيُوَفِّيَهُمْ أُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدَهُمْ مِنْ فَضْلِهِ۔ (فاطر۔۳۰)

''تا کہ ان کا اجر ان کو پورا پورا دے اور اپنے فضل سے مزید نوازے۔''

۵۱۔ چہرہ انسان کے اعمال کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ نیکی کے اثر سے چہرہ پر رونق آجاتی ہے جب کہ برائی چہرہ کو بے رونق بنا دیتی ہے۔ اس لئے گنہگاروں اور مجرموں کے چہروں پر روسیاہی کے آثار نمایاں ہوتے ہیں۔ دنیا میں بھلائی اور برائی کے اثرات کی ایک جھلک ہی چہرہ پر دیکھی جا سکتی ہے۔ لیکن قیامت کے دن چہرہ انسان کے باطن اور اس کے اعمال کا مظہر ہوگا۔

۵۲۔ شرک کرنے والے اپنے معبودوں کو اپنا حامی و ناصر اور خدا کے حضور اپنا سفارشی سمجھتے رہے ہیں۔ لیکن میدان حشر میں وہ اپنے پرستاروں سے اظہار بیزاری کریں گے۔ اس طرح عقیدت کا وہ رشتہ جو انہوں نے اپنے معبودوں کے ساتھ قائم کیا تھا بالکل ٹوٹ جائے گا۔ اور وہ اپنے کو اس حال میں پائیں گے کہ بالکل بے یار و مددگار رہیں۔

۵۳۔ اس جواب سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں شرکاء سے مراد وہ اشخاص ہیں، جن کی عقیدت میں غلو کر کے انہیں خدائی میں شریک ٹھہرا لیا گیا تھا۔ وہ دنیا سے رخصت ہو چکے تھے، مگر ان کے عقیدت مند انہیں اس طرح پکارتے تھے کہ گویا وہ ان کی پکار سنتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں۔ اسی تصور کے تحت وہ ان کی پرستش کرتے منتیں مانتے اور ان کے نام کی نذر و نیاز کرتے۔ مگر میدان حشر میں وہ اپنے پرستاروں کے مجمع میں ان تمام باتوں سے اپنی لاعلمی کا اظہار کریں گے، جو اس

بات کا ثبوت ہوگا کہ پکارنے والے ان کو جو پکارتے تھے، تو وہ ان کی پکار کو سنتے نہ تھے۔ ان کا خدائی میں کوئی دخل نہیں تھا۔ اور ان تک نہ وہ ''پرستش'' پہنچتی تھی جو ان کے پرستار کرتے تھے۔ اور نہ وہ نذرونیاز جو ان کے عقیدت مند ان کے حضور پیش کرتے تھے۔ وہ ان تمام باتوں سے بالکل بے خبر تھے۔

بعض مفسرین نے یہاں شرکاء (ٹھہرائے ہوئے شریکوں) سے مراد بت لئے ہیں لیکن یہ تعبیر بوجوہ صحیح نہیں معلوم ہوتی۔

اولاً۔ قیامت کے دن ''شرکاء'' کا یہ بیان کہ: اللہ گواہ ہے کہ ہم تمہاری عبادت سے بے خبر رہے''۔ اشخاص ہی کا ہوسکتا ہے نہ کہ بتوں کا جو بے جان ہیں۔

ثانیاً۔ مشرکین مکہ کے بارے میں یہ سمجھنا صحیح نہیں ہے کہ وہ صرف بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ بلکہ وہ فرشتوں جنوں اور گذری ہوئی شخصیتوں کی بھی پرستش کرتے تھے۔ چنانچہ ''اساف'' ایک مرد کا بت تھا اور ''نائلہ'' ایک عورت کا۔

ثالثاً۔ آگے آیت ۳۵ میں جو فرمایا گیا ہے کہ وہ رہنمائی کر نہیں سکتے بلکہ خود رہنمائی کے محتاج ہیں۔ تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہاں مراد اشخاص ہیں، کیوں کہ رہنمائی کے محتاج اشخاص ہوتے ہیں نہ کہ بے جان بت۔

رابعاً۔ قرآن ہر قسم کے شرک کی تردید کرتا ہے اور موقع کی مناسبت سے کہیں بت پرستی پر ضرب لگاتا ہے تو کہیں ملائکہ پرستی پر۔ کہیں جن پرستی پر گرفت کرتا ہے تو کہیں شخصیت پرستی پر۔ لہٰذا کوئی وجہ نہیں کہ ہر جگہ بت پرستی ہی مراد لی جائے اور شرک کو بت پرستی تک محدود سمجھ لیا جائے۔

آیت کے اس وسیع مفہوم کے پیش نظر مسلمانوں کے جاہل طبقہ کی ''بزرگ پرستی'' بھی اسی طرح شرک قرار پاتی ہے، جس طرح مشرکین مکہ کی شخصیت پرستی شرک تھی۔

❑❑❑❑❑❑

اس وقت ہر شخص کو اپنے کئے کا پتہ چلے گا اور سب لوگ اپنے مالک حقیقی کے حضور لوٹائے جائیں گے۔اور جو جھوٹ انہوں نے گھڑ رکھا تھا وہ سب گم ہو جائے گا۔ان سے پوچھو کون ہے جو تم کو آسمان و زمین سے رزق دیتا ہے؟ یا کون ہے جس کے قبضے میں سننے اور دیکھنے کی قوتیں ہیں؟ اور کون ہے جو زندہ کو مُردہ سے اور مُردہ کو زندہ سے نکالتا ہے۔کون ہے جو کائنات کا انتظام کر رہا ہے؟ وہ کہیں گے اللہ۔کہو پھر تم ڈرتے نہیں؟ بس یہی اللہ تمہارا حقیقی رب ہے ۔ پھر حق کے بعد گمراہی کے سوا اور کیا رہ جاتا ہے؟ کس طرح تمہیں حق سے پھیرا جا رہا ہے۔اس طرح تمہارے رب کی بات نافرمانی کرنے والوں پر صادق آگئی کہ وہ ایمان لانے والے نہیں۔(القرآن)

هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ وَرُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ
الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿٣٠﴾

۳۰ اس وقت ہر شخص کو اپنے کئے کا پتہ چلے گا اور سب لوگ اپنے مالک حقیقی کے حضور لوٹائے جائیں گے ۵۴؎۔اور جو جھوٹ انہوں نے گھڑ رکھا تھا وہ سب گم ہو جائے گا۔

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ
وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ
الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ۭ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿٣١﴾

۳۱ ان سے پوچھو کون ہے جو تم کو آسمان و زمین سے رزق دیتا ہے؟ یا کون ہے جس کے قبضے میں سننے اور دیکھنے کی قوتیں ہیں؟ اور کون ہے جو زندہ کو مُردہ سے اور مُردہ کو زندہ سے نکالتا ہے ۵۵؎۔کون ہے جو کائنات کا انتظام کر رہا ہے؟ وہ کہیں گے اللہ۔کہو پھر تم ڈرتے نہیں؟ ۵۶؎

فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚ فَاَنّٰى
تُصْرَفُوْنَ ﴿٣٢﴾

۳۲ بس یہی اللہ تمہارا حقیقی رب ہے ۵۷؎۔پھر حق کے بعد گمراہی کے سوا اور کیا رہ جاتا ہے ۵۸؎ ؟ کس طرح تمہیں حق سے پھیرا جا رہا ہے۔۵۹؎

كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ
لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٣٣﴾

۳۳ اس طرح تمہارے رب کی بات نافرمانی کرنے والوں پر صادق آ گئی کہ وہ ایمان لانے والے نہیں۔۶۰؎

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَاۗىِٕكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ۭ قُلِ اللّٰهُ
يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿٣٤﴾

۳۴ ان سے پوچھو تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں میں کوئی ہے جو پہلی مرتبہ پیدا کرتا ہو اور پھر اسے دہرائے؟ ۶۱؎ کہو وہ اللہ ہی ہے جو پہلی مرتبہ پیدا کرتا ہے اور پھر اسے دہرائے گا۔پھر تمہیں کہاں بھٹکایا جا رہا ہے ؟

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَاۗىِٕكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ۭ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ
لِلْحَقِّ ۭ اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ
اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۣ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿٣٥﴾

۳۵ ان سے پوچھو تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں میں کوئی ہے جو حق کی طرف رہنمائی کرتا ہو؟ کہو وہ اللہ ہی ہے جو حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے ۶۲؎ ۔پھر جو حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے وہ اس کا مستحق ہے کہ اس کی پیروی کی جائے یا وہ جو راہ نہیں پاتا جب تک کہ اس کی رہنمائی نہ کی جائے ۶۳؎۔تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم کیسے فیصلے کرتے ہو؟

وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ۭ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَـيْـــًٔـا ۭ
اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿٣٦﴾

۳۶ ان لوگوں میں زیادہ تر ایسے ہیں جو محض گمان کے پیچھے چل ۶۴؎ رہے ہیں۔اور گمان حق کے مقابلہ میں کچھ بھی کام نہیں آ سکتا۔۶۵؎ یہ جو کچھ کر رہے ہیں اللہ اسے خوب جانتا ہے۔

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ
تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ
مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٣٧﴾

۳۷ اور یہ قرآن ایسی چیز نہیں کہ اللہ کے سوا کوئی اسے گھڑ لائے ۶۶؎ بلکہ یہ تصدیق ہے اس (تعلیم) کی جو پہلے سے موجود ہے ۶۷؎ اور تفصیل ہے الکتاب کی۔۶۸؎ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ رب العالمین کی طرف سے ہے۔

۵۴۔ یعنی سب کی پیشی اللہ کے حضور ہوگی جو تنہا ان سب کا مالک ہے۔

۵۵۔ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورہ انعام نوٹ ۷۷۔

۵۶۔ یعنی جب رزق دینے والا اللہ ہی ہے، سماعت و بصارت کی قوتیں بھی اللہ ہی کی دین ہیں، زندگی اور موت کے کرشمے دکھانا بھی اسی کا کام ہے اور کائنات کا انتظام بھی وہی کر رہا ہے، اور مشرکین مکہ اسی کے قائل تھے۔ تو پھر اس کے علاوہ کسی کو معبود ماننے کے لئے بنیاد ہی کیا ہے۔ اور اس کی عبادت میں دوسروں کو شریک کرتے ہوئے تم ڈرتے نہیں، کہ وہ اس کی تمہیں سخت سزا دے گا۔

۵۷۔ یعنی جب اللہ ہی تمہاری پرورش کر رہا ہے اور یہ سارا نظامِ ربوبیت اسی کا قائم کیا ہوا ہے، تو پھر کسی اور کو اپنی قسمتوں کا مالک سمجھنا اور اس کو فریاد رسی کے لئے پکارنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔

۵۸۔ یعنی ایک اللہ کو رب ماننا ہی حق ہے باقی سب گمراہی کی باتیں ہیں۔

۵۹۔ یعنی تمہیں اس بات کا ہوش بھی ہے کہ صریح حق سے تمہیں کون پھیر رہا ہے اور کدھر لئے جا رہا ہے۔ یاد رکھو وہ شیطان ہے جو تمہاری نکیل پکڑ کر تمہیں غلط راستہ پر ڈال رہا ہے اور تم ہو کہ آنکھیں بند کر کے اس کے پیچھے چلے جا رہے ہو۔

۶۰۔ اللہ کی بات صادق آنے سے مراد اللہ کے اس قانون (سنت الٰہی) کی گرفت میں آنا ہے، جو اس نے گمراہی کے بارے میں بنایا ہے۔ اور جس کے مطابق ان لوگوں کو ایمان کی دولت نصیب نہیں ہوتی جو اپنے رب کی اطاعت کو اپنی آزادی میں مخل سمجھتے ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ جانوروں کی طرح بے قید زندگی گذاریں۔

۶۱۔ یہ ایک اور عقلی دلیل ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مشرکین کے خدا بالکل بے حقیقت ہیں۔ وہ تسلیم کرتے ہیں کہ ان کو عدم سے وجود میں لانے میں ان کے معبودوں کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اسی طرح ان کے معبود اس بات پر بھی قادر نہیں ہیں کہ ان کو موت کے بعد دوبارہ زندگی بخشیں۔ پھر ان میں خدائی صفت کہاں سے آ گئی۔ اور معبود اور رب کس طرح ٹھہرے؟

واضح رہے کہ مشرکین عرب اس بات کے قائل تھے کہ ان کا اور کائنات کا خالق صرف اللہ ہے۔ اور اگر دنیا کے کسی مشرکانہ مذہب میں یہ تصور پایا جاتا ہو کہ ایک خدا کے سوا کسی اور نے انسان کو یا کسی چیز کو پیدا کیا ہے، تو یہ تصور کسی عقلی یا علمی دلیل پر مبنی نہ ہونے کی وجہ سے سراسر باطل ہے۔

۶۲۔ حق سے مراد عالمگیر صداقت ہے۔ یعنی وہ بنیادی حقیقتیں جو انسان کی زندگی اور اس کائنات کی پشت پر ہیں۔ اور جن کو معلوم کئے بغیر انسان اپنے کو صحیح رخ پر نہیں ڈال سکتا۔ یہ حقیقتیں ظاہر ہے اللہ ہی جانتا ہے اس لئے وہی انسان کی صحیح رہنمائی کر سکتا ہے۔ اور اس رہنمائی کے لئے اس نے "وحی" کا انتظام کیا ہے اور یہ وحی آج قرآن کی شکل میں موجود ہے۔ برخلاف اس کے مشرکین کے معبودوں میں کوئی نہیں ہے جو حق کی رہنمائی کا کام کرتا ہو، کیونکہ کسی کے بس کی یہ بات نہیں ہے۔ پھر ان کو خدا بنا لینا کیا معنیٰ؟

۶۳۔ اشارہ ہے ان گذری ہوئی شخصیتوں کی طرف جن کو مشرکین نے معبود بنا لیا تھا۔ یہ شخصیتیں انسان ہونے کی حیثیت سے خود رہنمائی کی محتاج تھیں۔ پھر وہ خدا کے برابر کیونکر ہو سکتی ہیں جو سب کا ہادیٔ برحق ہے؟

۶۴۔ یعنی یہ مشرکوں کی محض وہم پرستی ہے جس کی بنیاد پر انہوں نے اپنے مذہب کو دیومالائی (Mythology) بنا دیا تھا۔

۶۵۔ انسان نے اب تک جتنے مذہب بھی ایجاد کئے ہیں ان سب کی بنیاد گمان، وہم اور اٹکل پچو باتوں پر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے درمیان بنیادی باتوں میں تضاد پایا جاتا ہے۔ جب کہ اسلام وہ واحد دین ہے جس کی بنیاد علم حق پر ہے اور یہ بات اس کو تمام مذاہب سے ممتاز کرتی ہے۔ ظاہر ہے کہ مذہب کے معاملہ اٹکل پچو باتیں محض بے کار ہیں۔ وہ ہرگز علم حق کی جگہ نہیں لے سکتیں۔ اس ناقابل انکار حقیقت کے باوجود آج بھی دنیا کی اکثریت مذہب کے معاملہ میں اٹکل پچو

باتوں کے پیچھے پڑی ہوئی ہے۔

۶۶۔ کلام الٰہی اور کلام انسانی میں بہت بڑا فرق ہے۔ یہ ایسا ہی جوہری فرق ہے جیسا کہ خدائی تخلیق اور انسانی تخلیق میں پایا جاتا ہے۔اور جس طرح انسان خدا کی طرح کوئی چیز تخلیق نہیں کرسکتا اسی طرح اس کے کلام کی طرح کوئی کلام بھی نہیں بنا سکتا۔ یہ خصوصیت خدا کے اصل کلام کی ہے جو عربی میں ہے۔ رہا ترجمہ تو وہ صرف مفہوم کی ادائیگی ہے اور وہ بھی انسانی بساط کے اندر، اس لئے قرآن کے ترجموں سے کلامِ الٰہی کی اس خصوصیت کا بس اندازہ ہی ہوسکتا ہے۔

۶۷۔ یعنی قرآن کوئی نیا مذہب نہیں لے کر آیا ہے۔ بلکہ وہی دین اور وہی تعلیم لے کر آیا ہے جو پہلے سے آئی ہوئی آسمانی کتابوں (تورات اور انجیل) میں اجمالی طور پر موجود ہے۔ دونوں کا تقابلی مطالعہ (Comparative Study) بتائے گا کہ قرآن کا چشمہ بھی وہیں سے ابل پڑا ہے جہاں سے تورات اور انجیل کا چشمہ ابلا تھا۔

۶۸۔ الکتاب سے مراد وہ تمام آسمانی کتابیں ہیں جو قرآن سے پہلے نازل ہوئی تھیں۔ قرآن نے ان تمام کتابوں کی تعلیمات کو نہ صرف اپنے اندر سمیٹ لیا ہے، بلکہ پوری وضاحت کے ساتھ ان کو پیش کر دیا ہے۔ گویا قرآن ایک ہی سلسلۂ ہدایت کی تکمیل ہے۔ اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ انسانی تصنیف نہیں ہے۔

اور ہم نے جس چیز کا ان سے وعدہ کیا ہے اس کا کوئی
جزء ہم تمہیں دکھا دیں یا (اس سے پہلے) تمہارا وقت پورا کر دیں۔
بہر حال ان کو لوٹنا ہماری ہی طرف ہے اور یہ جو کچھ کر رہے ہیں اس پر اللہ
گواہ ہے۔ ہر امت کے لئے ایک رسول ہے۔ پھر جب رسول اس کے پاس
آجاتا ہے تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جاتا
ہے۔ اور ان پر ہرگز ظلم نہیں کیا جاتا۔ (القرآن)

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۖ قُلْ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٣٨﴾

۳۸ کیا وہ کہتے ہیں کہ اس کو اس شخص نے گھڑ لیا ہے۔ کہو اگر تم سچے ہو تو اس جیسی ایک سورت ہی بنا کر لاؤ اور اللہ کے سوا جن کو تم بلا سکتے ہو بلا لو۔ ۶۹ ؎

بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ وَلَمَّا يَأْتِهِمْ تَأْوِيلُهُ ۚ كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۖ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ ﴿٣٩﴾

۳۹ حقیقت یہ ہے کہ لوگ جس بات کو اپنے دائرۂ علم میں نہ لا سکے اور جس کی اصل حقیقت ابھی ظاہر نہیں ہوئی، اس کو انہوں نے جھٹلا دیا ۷۰ ؎۔ اسی طرح ان لوگوں نے بھی جھٹلایا تھا جو ان سے پہلے گزر چکے۔ تو دیکھو ظالموں کا کیا انجام ہوا۔

وَمِنْهُم مَّن يُؤْمِنُ بِهِ وَمِنْهُم مَّن لَّا يُؤْمِنُ بِهِ ۚ وَرَبُّكَ أَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِينَ ﴿٤٠﴾

۴۰ ان میں ایسے بھی ہیں جو اس پر ایمان لاتے ہیں اور ایسے بھی ہیں جو ایمان نہیں لاتے۔ اور تمہارا رب مفسدوں کو خوب جانتا ہے۔

وَإِن كَذَّبُوكَ فَقُل لِّي عَمَلِي وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۖ أَنتُم بَرِيئُونَ مِمَّا أَعْمَلُ وَأَنَا بَرِيءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٤١﴾

۴۱ اگر یہ تمہیں جھٹلاتے ہیں تو کہو میرا عمل میرے لئے ہے اور تمہارا عمل تمہارے لئے۔ میں جو کچھ کرتا ہوں اس کی ذمہ داری تم پر نہیں ہے اور تم جو کچھ کرتے ہو اس کی ذمہ داری مجھ پر نہیں۔

وَمِنْهُم مَّن يَسْتَمِعُونَ إِلَيْكَ ۚ أَفَأَنتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوا لَا يَعْقِلُونَ ﴿٤٢﴾

۴۲ ان میں ایسے بھی ہیں جو تمہاری طرف کان لگاتے ہیں۔ مگر کیا تم بہروں کو سناؤ گے۔ اگرچہ وہ کچھ بھی سمجھتے نہ ہوں؟ ۷۱ ؎

وَمِنْهُم مَّن يَنظُرُ إِلَيْكَ ۚ أَفَأَنتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوا لَا يُبْصِرُونَ ﴿٤٣﴾

۴۳ اور ان میں وہ لوگ بھی ہیں جو تمہاری طرف دیکھتے ہیں۔ مگر کیا تم اندھوں کو راہ دکھاؤ گے؟ خواہ انہیں کچھ سوجھائی نہ دیتا ہو؟ ۷۲ ؎

إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَلَٰكِنَّ النَّاسَ أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٤٤﴾

۴۴ درحقیقت اللہ لوگوں پر ذرا بھی ظلم نہیں کرتا بلکہ لوگ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔ ۷۳ ؎

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَأَن لَّمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُونَ بَيْنَهُمْ ۚ قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِلِقَاءِ اللَّهِ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴿٤٥﴾

۴۵ اور جس دن وہ ان کو اکٹھا کرے گا تو انہیں ایسا محسوس ہوگا کہ گویا وہ (دنیا میں) گھڑی بھر رہے تھے آپس میں تعارف کی غرض سے ۷۴ ؎۔ (اس وقت انہیں معلوم ہوگا) گھاٹے میں رہے وہ لوگ جنہوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا اور ہدایت کی راہ اختیار نہیں کی۔

وَإِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَإِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا يَفْعَلُونَ ﴿٤٦﴾

۴۶ اور ہم نے جس چیز کا ان سے وعدہ کیا ہے اسکا کوئی جزء ہم تمہیں دکھا دیں یا (اس سے پہلے) تمہارا وقت پورا کر دیں ۷۵ ؎۔ بہرحال انکولوٹنا ہماری ہی طرف ہے اور یہ جو کچھ کر رہے ہیں اس پر اللہ گواہ ہے۔

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ ۖ فَإِذَا جَاءَ رَسُولُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٤٧﴾

۴۷ ہر امت کیلئے ایک رسول ہے۔ ۷۶ ؎ پھر جب رسول اس کے پاس آجاتا ہے تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔ اور ان پر ہرگز ظلم نہیں کیا جاتا۔ ۷۷ ؎

۶۹؎ اس کی تشریح سورہ بقرۂ نوٹ ۳۰؎ میں گذر چکی۔

۷۰؎ یعنی وہ ''وحی'' کا انکار اس لئے کر رہے ہیں کہ یہ ذریعہ خفیہ ہونے کی وجہ سے ان کے علم کی گرفت میں نہیں آسکا ہے۔ اور اسکی دوسری وجہ یہ ہے کہ وحی الٰہی جن واقعات کے ظہور میں آنے کی خبر دے رہی ہے، خاص طور سے قیامت کے وقوع کی خبر وہ ابھی ظہور میں نہیں آئی۔ لیکن وحی الٰہی کے ہمارے علم کی گرفت میں نہ آنے کا یہ مطلب کہاں ہوا کہ یہ بے حقیقت ہے، اور اس کا انکار کیا جائے، جبکہ اس کی پشت پر مضبوط اور نا قابل انکار دلائل ہوں۔ مزید برآں نازل شدہ وحی کا مضمون خود اس بات کی شہادت دے رہا ہے کہ یہ کسی انسان کا کلام نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح یہ وحی مستقبل میں پیش آنے والے جن واقعات کی خبر دے رہی ہے، ان کا ظہور میں آنا عقل وفطرت اور عدل وانصاف کا تقاضا ہے۔ ایک بچہ ان باتوں کا ادراک نہیں کرتا، جن کا ادراک ایک بڑی عمر کا آدمی کرتا ہے۔ اور ایک عام آدمی کے علم کی گرفت میں وہ باتیں نہیں آتیں جو ایک سائنس داں، ایک ماہر فلکیات اور ایک مفکر کے علم کی گرفت میں آتی ہیں۔ پھر کیا محض اس بنا پر کہ فلاں بات کسی کے علم وادراک کی گرفت میں نہیں آسکی اس کے لئے انکار کا جواز فراہم کرتی ہے؟ اگر اس کا جواب نفی میں ہے تو انبیاء علیہم السلام کو وحی الٰہی کا جو تجربہ ہوتا رہا ہے، اور اس بنا پر انہوں نے مستور حقیقتوں کی جو خبریں دی ہیں، ان کو محض اس وجہ سے رد کرنا کہ وہ عام انسانوں کے علم کی گرفت میں نہیں آئی ہیں کس طرح صحیح ہوسکتا ہے؟۔ ان مستور حقیقتوں کی خبر دینے والی شخصیات اخلاق وکردار کے لحاظ سے اتنی بلند تھیں کہ ان کی بلندی آسمان کو چھو رہی تھی۔ اور جن مستور حقیقتوں کو انہوں نے بیان کیا ہے ان کی تصدیق ان بے شمار نشانیوں سے ہوتی ہے جو آفاق وانفس میں پائی جاتی ہیں۔

۷۱؎ یعنی وہ پیغمبر کی باتوں کی طرف کان لگاتے ہیں مگر اس لئے نہیں کہ حق بات قبول کریں، بلکہ اس لئے کہ اعتراض کے لئے کوئی نکتہ مل جائے۔

۷۲؎ یعنی وہ پیغمبر کو بصیرت کی آنکھ سے نہیں دیکھتے اور ع جو شئے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا۔ اگر وہ بصیرت کی آنکھ سے دیکھتے تو انہیں یقین آتا کہ آپ نبی برحق ہیں۔

۷۳؎ یعنی فہم وبصیرت سے ان کی یہ محرومی نتیجہ ہے ان کے ظالمانہ طرز عمل کا۔ ورنہ اللہ نے ان کو سماعت اور بصارت کی قوتیں اسی لئے تو بخشی تھیں کہ وہ سوجھ بوجھ سے کام لیں۔

۷۴؎ یعنی اس وقت تو انہیں دنیا کی زندگی طویل معلوم ہوتی ہے۔ لیکن قیامت کے دن جب اخروی زندگی کا آغاز ہوگا تو انہیں محسوس ہوگا کہ اس کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی گھڑی بھر کی زندگی تھی۔ اور لوگوں سے جو سماجی تعلقات رہے وہ زیادہ دیر کے لئے نہیں بلکہ محض تعارف کی حد تک تھے۔ گویا ایک دوسرے سے ابھی پہچان ہی ہو پائی تھی کہ موت کا فرشتہ آکھڑا ہوا۔ (دیکھئے سورۂ نازعات نوٹ ۳۲؎)

۷۵؎ یعنی کافروں سے عذاب کا وعدہ کیا گیا ہے اس سے لازماً انہیں دوچار ہونا ہے۔ رہا اس کا ظہور تو ہوسکتا ہے کہ عذاب کی کوئی قسط پیغمبر کی زندگی ہی میں کافروں پر نازل ہوجائے۔ اور اگر اللہ کی حکمت مقتضی ہوئی تو پیغمبر کے دنیا سے رخصت ہوجانے کے بعد آئے گا اور آخرت میں تو انہیں پورا پورا عذاب بھگتنا ہی ہے۔

اس آیت سے یہ بات بھی واضح ہوئی کہ ابتداء میں نبی ﷺ کے سپرد جو کام کیا گیا تھا وہ دعوت پہنچانے کا تھا۔ اور یہ دعوت کیا تھی اس کو وضاحت کے ساتھ اس سورہ میں پیش کیا گیا ہے۔ اس میں نہ اس بات کا ذکر ہے کہ آپ اسلام کے اجتماعی نظام کو قائم کر دکھانے پر مامور ہیں۔ اور نہ اصل دعوت کے ساتھ غلبۂ دین کے پہلو ہی کو نمایاں کیا گیا ہے۔ بلکہ فرمایا گیا کہ ہوسکتا ہے کافروں کے انجام سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ آپ کو دنیا سے اٹھالے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے کم از کم سورۂ یونس کے نزول تک اپنا یہ منصوبہ کہ وہ اس نبی کے ہاتھوں اسلام کو تمام ادیان پر غالب کرے گا، جیسا کہ سورۂ صف آیت ۹؎ اور سورۂ توبہ آیت ۳۳؎ میں فرمایا گیا ہے، خود نبی ﷺ پر بھی ظاہر نہیں فرمایا تھا۔ بلکہ ہجرت کے بعد جب کہ اسلام اور کفر کی کشمکش جہاد کے مرحلہ میں داخل ہوئی تو یہ اعلان کیا گیا کہ رسول کو اللہ تعالیٰ نے اس لئے بھیجا ہے کہ دین کو تمام ادیان باطلہ پر غالب کردے۔

معلوم ہوا کہ دین کے لئے غلبہ واقتدار مطلوب ضرور ہے۔لیکن اس کا تعلق جہاد کے مرحلہ سے ہے یا اس مرحلہ سے جب کہ اسلام کے نظام کو بالفعل قائم اور نافذ کیا جاسکتا ہو۔رہا دعوت کا مرحلہ تو اس میں اصل زور دعوت کی بنیادی باتوں پر ہونا چاہئے نہ کہ غلبہ واقتدار کے حصول پر۔ورنہ صحیح دینی فکر کی تعمیر نہیں ہوسکے گی اور نہ ہی غلبۂ دین کے لئے راہ ہموار ہوسکے گی۔

۷۶ ۔ یعنی اس سے پہلے جو امتیں گذری ہیں ان میں کوئی امت ایسی نہیں،جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول نہ بھیجا ہو۔سورۂ فاطر میں ارشاد ہوا ہے:

وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ۔ (فاطر۔۲۴)

''کوئی امت ایسی نہیں جس میں ایک متنبہ کرنے والا نہ گذرا ہو۔''

یہ سلسلہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ سے برابر جاری رہا یہاں تک کہ حضرت محمد ﷺ کو آخری رسول کی حیثیت سے اقوام عالم کی طرف بھیجا گیا۔

۷۷ ۔ یعنی جب کبھی کسی امت کی طرف کسی رسول کو بھیجا گیا ہے اس امت کی قسمت کا فیصلہ دنیا ہی میں چکا دیا گیا ہے۔اور ایسا کبھی نہیں ہوا کہ رسول کی لائی ہوئی ہدایت کو لوگوں نے رد کردیا ہو اور ان پر عذاب کا تازیانہ نہ برسا ہو۔یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی امت کو زیادہ دنوں تک ڈھیل دیدے۔

وہی جلاتا ہے اور وہی مارتا ہے اور اسی کی طرف تم کو لوٹ کر جانا ہے۔
لوگو ! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آگئی ہے
اور ایسی چیز جو دلوں کی بیماریوں کے لئے شفاء ہے اور اہل ایمان کے
لئے ہدایت ورحمت۔ کہو یہ (کتاب) اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کو
لے کر نازل ہوئی ہے تو چاہئے کہ اس پر خوشی منائیں۔ یہ ان تمام
چیزوں سے بہتر ہے جسے وہ جمع کر رہے ہیں۔ (القرآن)

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٤٨﴾

۴۸ کہتے ہیں اگر تم سچے ہو تو (بتلاؤ) یہ وعدہ ۷۸؎ کب پورا ہوگا؟

قُل لَّا أَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرًّا وَلَا نَفْعًا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۗ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۚ إِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً ۖ وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴿٤٩﴾

۴۹ کہو میں تو اپنی جان کے لئے بھی نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتا۔ وہی ہوتا ہے جو اللہ چاہتا ہے ۷۹؎۔ ہر امت کے لئے ایک مقررہ وقت ہے اور جب ان کا وقت آجاتا ہے تو نہ ایک گھڑی پیچھے رہ سکتے ہیں اور نہ ایک گھڑی آگے۔ ۸۰؎

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُهُ بَيَاتًا أَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُونَ ﴿٥٠﴾

۵۰ کہو تم نے یہ بھی سوچا کہ اگر اس کا عذاب (یکا یک) رات کو یا دن کو آجائے تو بچنے کی کیا صورت ہے جس کے بل پر مجرم جلدی مچا رہے ہیں۔ ۸۱؎

أَثُمَّ إِذَا مَا وَقَعَ آمَنتُم بِهِ ۚ آلْآنَ وَقَدْ كُنتُم بِهِ تَسْتَعْجِلُونَ ﴿٥١﴾

۵۱ کیا جب وہ واقع ہوگا اس وقت تم مانو گے؟ اب مانتے ہو ۸۲؎ اور اس سے پہلے تم اس کے لئے جلدی مچایا کرتے تھے!

ثُمَّ قِيلَ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا بِمَا كُنتُمْ تَكْسِبُونَ ﴿٥٢﴾

۵۲ پھر ظالموں سے کہا جائے گا ۸۳؎ کہ ہمیشہ کے عذاب کا مزا چکھو۔ تم جو کچھ کماتے رہے ہو اسی کا بدلہ تم کو دیا جائے گا۔

وَيَسْتَنبِئُونَكَ أَحَقٌّ هُوَ ۖ قُلْ إِي وَرَبِّي إِنَّهُ لَحَقٌّ ۖ وَمَا أَنتُم بِمُعْجِزِينَ ﴿٥٣﴾

۵۳ تم سے پوچھتے ہیں کیا واقعی یہ سچ ہے؟ ۸۴؎ کہو ہاں میرے رب کی قسم ۸۵؎ یہ واقعی سچ ہے اور تم اس سے بچ کر نکل نہیں سکتے۔

وَلَوْ أَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْأَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهِ ۗ وَأَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَأَوُا الْعَذَابَ ۖ وَقُضِيَ بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ ۚ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٥٤﴾

۵۴ ہر وہ شخص جس نے ظلم کیا ہے اگر اس کے پاس وہ سب کچھ ہو جو روئے زمین پر ہے تو اس (عذاب) سے بچنے کے لئے وہ ضرور اُسے فدیہ میں دے ۸۶؎۔ جب وہ عذاب کو دیکھ لیں گے تو دل ہی دل میں پچھتائیں گے۔ اور ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور ان پر کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔

أَلَا إِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ أَلَا إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٥٥﴾

۵۵ سنو آسمانوں اور زمین کی ساری موجودات اللہ ہی کی ہیں۔ یاد رکھو اللہ کا وعدہ سچا ہے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔

هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٥٦﴾

۵۶ وہی جلاتا ہے اور وہی مارتا ہے اور اسی کی طرف تم کو لوٹ کر جانا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُم مَّوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿٥٧﴾

۵۷ لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آگئی ہے ۸۷؎ اور ایسی چیز جو دلوں کی بیماریوں کے لئے شفاء ہے ۸۸؎ اور اہل ایمان کے لئے ہدایت ۸۹؎ و رحمت۔ ۹۰؎

قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ﴿٥٨﴾

۵۸ کہو یہ (کتاب) اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کو لے کر نازل ہوئی ہے تو چاہئے کہ اس پر خوشی منائیں۔ یہ ان تمام چیزوں سے بہتر ہے جسے وہ جمع کر رہے ہیں۔ ۹۱؎

۷۸۔ مراد عذاب کا وعدہ ہے۔

۷۹۔ یعنی میں نے تم سے یہ کب کہا کہ میں تم پر عذاب لے آؤں گا، بلکہ یہ کہا کہ اگر تم سرکشی کرتے ہو تو اندیشہ ہے کہ ایک نہ ایک دن اللہ کا عذاب تم پر ضرور آئے گا۔ اس کی تاریخ متعین کرنا میرا کام نہیں بلکہ یہ اللہ کی سنت پر موقوف ہے۔ اس آیت میں یہ بات جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی کہلوائی گئی ہے کہ ''میں اپنی ذات کے لئے نفع و نقصان کا کوئی اختیار نہیں رکھتا'' تو اس سے بدعتیوں کے اس خیال کی تردید ہوتی ہے کہ آپ غیبی طور پر کسی کو نفع یا نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ اور جب آپ اس معاملہ میں بے اختیار ہیں تو اولیاء بدرجۂ اولیٰ بے اختیار ہوئے۔

۸۰۔ یہاں مراد وہ امتیں ہیں جن کی طرف رسولوں کی بعثت براہِ راست ہوئی۔ ان میں سے ہر امت کو اللہ تعالیٰ نے رسول کے لائے ہوئے پیغام کو سمجھنے اور اپنی اصلاح کا موقع دیا۔ لیکن جب اس نے جھٹلایا اور سرکشی اختیار کی تو جوں ہی اس کی مہلت عمل ختم ہوئی اللہ تعالیٰ نے دنیا ہی میں اس کا فیصلہ چکا دیا۔

۸۱۔ یعنی کیا عذاب سے بچاؤ کا کوئی سامان انہوں نے کرلیا ہے جس کے بل پر وہ جلدی مچا رہے ہیں۔

۸۲۔ یعنی عذاب کو دیکھ لینے کے بعد۔

۸۳۔ یہاں ظالم سے مراد وہ لوگ ہیں جو رسول کی تنبیہ کو جھٹلاتے رہے اور خدا اور آخرت کے تصور کی بنیاد پر دنیا میں کام کرنے سے انکار کرتے رہے۔

۸۴۔ یعنی کیا یہ معاملہ واقعی پیش آنے والا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو اس کے برے اعمال کی سزا دے گا۔

۸۵۔ قسم اس بات کے اظہار کے لئے ہے کہ یہ بات بالکل قطعی اور یقینی ہے۔

۸۶۔ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ مائدہ نوٹ ۱۲۴۔

۸۷۔ اس آیت میں قرآن کی چار خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔ پہلی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ''موعظت'' ہے۔ موعظت سے مراد وہ نصیحت ہے جو دل میں بیداری اور رقت پیدا کرے۔

۸۸۔ یہ قرآن کی دوسری خصوصیت ہے کہ وہ دل کی بیماریوں اور معنوی امراض کے لئے نسخۂ شفاء ہے۔ جس طرح انسان کو جسمانی اور ظاہری امراض لاحق ہوتے ہیں اسی طرح روحانی اور معنوی امراض بھی لاحق ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر کفر معنوی کینسر ہے۔ معصیت کوشی دل کے لئے تپ دق ہے، زر پرستی ذہن کے لئے جنون ہے اور بے حیائی اور خواہش پرستی نفس کو اندھا کردینے والی بیماری۔

انسان کے باطن کی ان بیماریوں کے لئے قرآن کا نسخۂ شفاء ہونا ایک واقعہ اور ایک حقیقت ہے۔ نزول قرآن کے زمانہ میں سسکتی ہوئی انسانیت اس سے شفایاب ہوئی اور تاریخ شاہد ہے کہ ہر زمانہ میں اس کی طرف رجوع کرنے والے صحت مند کردار کے حامل بنے۔ نیز موجودہ زمانہ میں بھی جب کہ اخلاقی گراوٹ اپنی انتہاء کو پہنچ چکی ہے قرآن کے زیر سایہ زندگی گزارنے والے ہی اخلاقی پاکیزگی کا وصف اپنے اندر رکھتے ہیں۔ اس طرح تجربہ نے ثابت کردیا ہے کہ انسان کی تمام قلبی، روحانی اور باطنی بیماریوں کا علاج قرآن اور صرف قرآن میں ہے۔

۸۹۔ قرآن کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ وہ خدائی رہنمائی ہے، جس سے اہل ایمان زندگی کے ہر موڑ پر صحیح سمت سفر معلوم کرلیتے ہیں۔

۹۰۔ قرآن کی چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ وہ خدا کی طرف سے رحمت ہے۔ اہل ایمان خدائی رہنمائی میں چلتے ہوئے قدم قدم پر رحمت الٰہی سے فیضیاب ہوتے ہیں۔

۹۱۔ یعنی اس روحانی دولت کے مقابلہ میں وہ مادی دولت ہیچ ہے، جس کو سمیٹنے میں لوگ منہمک ہیں۔ اور ان کا یہ انہماک ہی ہے جو انہیں قرآن سے قریب ہونے نہیں دیتا۔

قُلْ أَرَءَيْتُم مَّآ أَنزَلَ ٱللَّهُ لَكُم مِّن رِّزْقٍ فَجَعَلْتُم مِّنْهُ حَرَامًا وَحَلَٰلًا قُلْ ءَآللَّهُ أَذِنَ لَكُمْ أَمْ عَلَى ٱللَّهِ تَفْتَرُونَ ﴿۵۹﴾

۵۹ کہو تم نے یہ بھی سوچا کہ اللہ نے تمہارے لئے جو رزق اتارا تھا اس میں سے تم نے کسی چیز کو حرام اور کسی کو حلال ٹھہرایا۔ پوچھو کیا اللہ نے تم کو اس کی اجازت دی تھی یا تم اللہ کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کرتے ہو۔ ۹۲

وَمَا ظَنُّ ٱلَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى ٱللَّهِ ٱلْكَذِبَ يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ إِنَّ ٱللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى ٱلنَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُونَ ﴿۶۰﴾

۶۰ جو لوگ اللہ کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کرتے ہیں انہوں نے کیا سمجھ رکھا ہے قیامت کے دن کے بارے میں (کہ انہیں جوابدہی کرنا نہیں ہوگی؟) حقیقت یہ ہے کہ اللہ لوگوں کے حق میں بڑا مہربان ہے ۹۳ لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔

وَمَا تَكُونُ فِى شَأْنٍ وَمَا تَتْلُوا۟ مِنْهُ مِن قُرْءَانٍ وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ وَمَا يَعْزُبُ عَن رَّبِّكَ مِن مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِى ٱلْأَرْضِ وَلَا فِى ٱلسَّمَآءِ وَلَآ أَصْغَرَ مِن ذَٰلِكَ وَلَآ أَكْبَرَ إِلَّا فِى كِتَٰبٍ مُّبِينٍ ﴿۶۱﴾

۶۱ (اے پیغمبر!) تم جس حال میں بھی ہوتے ہو اور قرآن کا جو حصہ بھی سنا رہے ہوتے ہو اور تم لوگ جو کام بھی کرتے ہو، ان سب مشغولیتوں کے دوران ہم تم کو دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ زمین اور آسمان کی ذرہ برابر چیز بھی تمہارے رب سے پوشیدہ نہیں ہے اور نہ اس سے زیادہ چھوٹی یا بڑی چیز ایسی ہے جو ایک واضح کتاب میں درج نہ ہو۔ ۹۴

أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ ٱللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۶۲﴾

۶۲ سنو، جو اللہ کے دوست ہیں ۹۵ ان کو نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ ۹۶

ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَكَانُوا۟ يَتَّقُونَ ﴿۶۳﴾

۶۳ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا۔

لَهُمُ ٱلْبُشْرَىٰ فِى ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا وَفِى ٱلْءَاخِرَةِ لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَٰتِ ٱللَّهِ ذَٰلِكَ هُوَ ٱلْفَوْزُ ٱلْعَظِيمُ ﴿۶۴﴾

۶۴ ان کیلئے خوشخبری ہے دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اللہ کے فرمان بدل نہیں سکتے۔ ۹۷ یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

وَلَا يَحْزُنكَ قَوْلُهُمْ إِنَّ ٱلْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا هُوَ ٱلسَّمِيعُ ٱلْعَلِيمُ ﴿۶۵﴾

۶۵ (اے پیغمبر) ان لوگوں کی باتیں تمہیں آزردہ نہ کریں ۹۸ عزت سب کی سب اللہ ہی کیلئے ہے ۹۹ وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔

أَلَآ إِنَّ لِلَّهِ مَن فِى ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَمَن فِى ٱلْأَرْضِ وَمَا يَتَّبِعُ ٱلَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ شُرَكَآءَ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا ٱلظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ﴿۶۶﴾

۶۶ یاد رکھو! جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں سب اللہ ہی کے مملوک ہیں ۱۰۰۔ اور جو لوگ اللہ کے سوا اپنے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کو پکارتے ہیں وہ محض وہم و گمان کی پیروی کرتے ہیں۔ ۱۰۱ اور نری اٹکل پچو باتیں کرتے ہیں۔ ۱۰۲

هُوَ ٱلَّذِى جَعَلَ لَكُمُ ٱلَّيْلَ لِتَسْكُنُوا۟ فِيهِ وَٱلنَّهَارَ مُبْصِرًا إِنَّ فِى ذَٰلِكَ لَءَايَٰتٍ لِّقَوْمٍ يَسْمَعُونَ ﴿۶۷﴾

۶۷ وہی ہے جس نے تمہارے لئے رات بنائی کہ اس میں سکون حاصل کرو اور دن کو روشن بنایا۔ اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو سنتے ہیں۔ ۱۰۳

۹۲۔ اس آیت میں اللہ کے رزق سے مراد کھانے پینے کی وہ تمام پاکیزہ چیزیں ہیں جو اللہ نے اپنے بندوں کی منفعت کے لئے پیدا فرمائی ہیں۔لیکن مشرکین نے محض وہم پرستی کی بنا پر ان میں سے کتنی ہی چیزوں کو لوگوں کے لئے حرام کر رکھا ہے۔جن کا کھانا ان کے نزدیک پاپ ہے۔ان کے پاپ ہونے کا تصور بتاتا ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ خدا نے یہ چیزیں ان کے لئے حرام ٹھہرائی ہیں۔قرآن ایسے لوگوں سے پوچھتا ہے:تمہیں یہ بات کیسے معلوم ہوگئی کہ یہ چیزیں خدا نے حرام ٹھہرائی ہیں۔اور اگر تمہارا دعویٰ یہ ہے کہ خدا نے تم کو اس بات کی اجازت دے رکھی ہے کہ اپنی مرضی سے جس چیز کو چاہو حلال اور جس چیز کو چاہو حرام ٹھہراؤ تو اس کا ثبوت پیش کرو۔اور اگر کوئی ثبوت موجود نہیں ہے تو پھر تمہارا یہ دعویٰ خدا کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کرنے کے سوا کچھ نہیں۔مشرکین عرب نے بعض مخصوص قسم کے اونٹ اور اونٹنیاں اور بعض مویشیوں کے بچے حرام ٹھہرائے تھے اور مشرکین ہند نے گائے کو بلکہ سرے سے گوشت خوری ہی کو حرام ٹھہرایا ہے۔مزید تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ انعام نوٹ ۲۶۲ اور ۲۶۳۔

۹۳۔ یعنی اللہ چونکہ اپنے بندوں پر مہربان ہے اس لئے نہیں چاہتا کہ قیامت کے دن تم عذاب کی گرفت میں آؤ۔اور اسی لئے اس نے اپنی پسند اور ناپسند سے تمہیں باخبر کر دیا ہے۔لیکن اگر تم اس کی پسند اور ناپسند سے بے پرواہ ہو کر اپنی مرضی سے کسی چیز کو حلال اور کسی چیز کو حرام ٹھہراتے رہے،تو قیامت کے دن تم کو لازماً اس کی جوابدہی کرنا ہوگی۔اور اپنے اس باغیانہ طرز عمل کی بنا پر تم اس کی سزا سے بچ نہ سکو گے۔

۹۴۔ کتاب مبین (واضح کتاب) سے مراد اللہ کی وہ کتاب ہے جس میں تمام کائنات کا ریکارڈ پوری تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔اللہ تعالیٰ نے یہ سب کچھ اپنے علم کی بنا پر ضبطِ تحریر میں لایا ہے۔اس کتاب کا اصطلاحی نام لوح محفوظ ہے اور جس کی اصل حقیقت اللہ ہی کو معلوم ہے۔یہاں مقصود یہ واضح کرنا ہے کہ اللہ کا علم پوری کائنات کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور تمام تفصیلات اور جزئیات تک اس کے علم میں ہیں،یہاں تک کہ ذرہ برابر بھی کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں۔اور جب اس کا علم اتنا وسیع ہے کہ جس کی کوئی انتہا نہیں تو وہ اپنے بندوں کے اعمال سے کس طرح بے خبر ہو سکتا ہے؟ اور جب اس کے پاس ذرہ ذرہ کا ریکارڈ موجود ہے تو انسان جس کے سر پر خلافتِ ارضی کا تاج رکھا گیا ہے کی کارکردگی کا ریکارڈ کیسے نہیں ہوگا؟ لہٰذا انسان کو چاہئے کہ یہ سمجھتے ہوئے دنیا میں کام کرے کہ اللہ سب کچھ دیکھ رہا ہے اور اس کے ریکارڈ سے کوئی چیز بھی غائب نہیں ہو سکتی۔یہی تصور اور یہی عقیدہ انسان کو خدا کی راہ پر چلنے کے لئے آمادہ کرتا ہے۔

۹۵۔ متن میں لفظ''اولیاء'' استعمال ہوا ہے جو ولی کی جمع ہے اور جس کے معنی دوست کے ہیں۔اولیاء اللہ سے مراد کون لوگ ہیں اس کی تفسیر خود قرآن ہی نے کی ہے۔چنانچہ متصلاً بعد والی آیت میں فرمایا''یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا'' یعنی جو لوگ ایمان لا کر تقویٰ (خدا خوفی اور پرہیزگاری) کی روش اختیار کرتے ہیں۔بالفاظ دیگر مؤمن متقی اللہ کا ولی ہے۔

قرآن کی اس تشریح و توضیح کے بعد اس کا کوئی اور مفہوم بیان کرنے کا حق کسی کو نہیں ہے۔لیکن افسوس ہے کہ مسلمانوں کے ایک گروہ نے اس کے معنیٰ بالکل بدل دئے ہیں۔ان کے نزدیک ولی وہ ہے جس نے صوفیانہ اور زاہدانہ طرز پر زندگی گذاری ہو۔اور ولی کے بارے میں اس گروہ کا تصور یہ ہے کہ اسے عالم میں تصرف کا اختیار ہوتا ہے۔چنانچہ تصرف کے اعتبار سے انہوں نے اولیاء کی درجہ بندی کی ہے اور غوث،قطب،ابدال جیسے القاب ان کے لئے تجویز کئے ہیں۔پھر ان کے طرف ایسی کرامتیں منسوب کر دی ہیں جن کا سر ہے نہ پیر۔اولیاء کے بارے میں اس گمراہ کن تصور کو جس چیز نے پختہ کر دیا وہ ان کی پختہ قبریں اور درگاہیں ہیں۔نتیجہ یہ کہ مسلمانوں کے اندر شخصیت پرستی بزرگوں سے عقیدت کے پردہ میں اور شرک نذر و نیاز کے غلاف میں آ گیا۔

۹۶۔ اس کا محل جنت ہے جہاں نہ مستقبل کا کوئی خطرہ ہوگا اور نہ ماضی کا کوئی غم۔

۹۷۔ یعنی اللہ کے تمام وعدے بالکل اٹل ہیں۔ان میں کوئی ردوبدل نہیں ہو سکتا۔

۹۸۔ یعنی مخالفین کی اذیت دہ باتوں کو تم خاطر میں نہ لاؤ۔

۹۹۔ عربی میں عزت کے اصل معنیٰ قوت اور غلبہ کے ہیں نیز اس کے دوسرے معنیٰ شرف کے بھی ہیں۔''عزت سب کی سب اللہ ہی کیلئے ہے'' کا

مطلب یہ ہے کہ قوت و غلبہ اور شرف سب اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔وہ جس کو ان چیزوں سے نوازنا چاہے اسے کوئی نہیں روک سکتا، لہٰذا مخالفین پیغمبر کو نیچا دکھانے کے لئے جوز ور لگا رہے ہیں ان کی یہ کوشش کامیاب نہیں ہوسکتی۔

۱۰۰ا۔ یعنی آسمان وزمین کی تمام ذی حیات مخلوق خواہ فرشتے ہوں یا جنّ پیدائشی طور پر اللہ کی بندہ، غلام اور مخلوق ہے اور جب کسی کی بھی یہ حیثیت نہیں کہ وہ مالک ہوتو وہ خدا کی شریک کس طرح ہوئی؟

۱۰۱ا۔ یعنی شرک کی تائید میں کوئی دلیل موجود نہیں ہے، بلکہ مذہب والوں نے محض وہم و گمان کی بنا پر خدا کے شریک ٹھہرا رکھے ہیں۔

۱۰۲ا۔ مشرکانہ مذاہب کے پنڈتوں نے اپنے اپنے مذہب کو سچا ثابت کر دکھانے کیلئے اس کو فلسفیانہ رنگ دیا ہے تا کہ جو باتیں عقلِ سلیم تسلیم نہیں کرتی، ان کو فلسفہ کی شکل میں پیش کر کے ذہنوں کو مرعوب کیا جا سکے۔اس کی مثال ہندوؤں کا فلسفۂ ویدانت (Vedanta) ہے جس میں خالق کائنات کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ابتداء میں وہ اکیلا تھا پھر اس نے کثرت میں تبدیل ہونا چاہا اس لئے اس نے اپنی ذات ہی سے کثرت کو پیدا کیا:

" The Vedanta Says that the suprime Being was alone. one without a second He desired to become the many. But as there was nothing beside Himself. he Had create the many out of Himself alone" (outlines of Vedanta by R. Krishna Swami Aiyar p.71)

کیسا شرمناک جھوٹ ہے جو خدا کی طرف منسوب کیا گیا ہے! اسی طرح دیوی دیوتاؤں کے وجود کے بارے میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ دنیا میں جتنی صفات پائی جاتی ہیں اتنے ہی دیوی دیوتا ہیں:

There are as many Devas or spiritual Entities as there are qualities in the world "

(Ibid p. 131)

ساتھ ہی یہ دعویٰ بھی کر لیا گیا ہے کہ دیوتاؤں کا وجود کوئی وہمی بات یا نظریاتی تصور نہیں ہے بلکہ حقیقت واقعہ ہے:

" We must mention that these are not mythical entities or mere theoritical conceptions. but are actual facts." (Ibid p. 139)

شرک اور مشرکانہ مذاہب کی بنیاد ایسی ہی اٹکل پچو باتوں پر ہے جن کو فلسفہ کا روپ دیا گیا ہے۔ان فلسفوں کا باہمی تضاد ایک دوسرے کی تردید کرتا ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کی بنیاد علمِ حق پر نہیں بلکہ محض وہم و گمان پر ہے۔

۱۰۳ا۔ یعنی خدا کی معرفت (پہچان) حاصل کرنے کیلئے فلسفیوں کے چکر میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔قرآن جس آثار کائنات کو توحید کی تائید میں پیش کر رہا ہے وہ ایک سادہ حقیقت ہے اور سننے سمجھنے والے کے لئے یہ دلیل کافی ہے۔رات کے پرسکون ہونے اور دن کے روشن ہونے کی وجہ سے انسان کے لئے یہ ممکن ہوا کہ وہ زمین پر زندگی گذار سکے یہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کی کھلی نشانی ہے۔

❑❑❑❑❑❑

وہ کہتے ہیں اللہ نے اپنے لئے اولاد بنا رکھی ہے۔ پاکی ہے اس کے لئے۔ وہ بے نیاز ہے۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اس کی مِلک ہے۔ تمہارے پاس اس کی کیا دلیل ہے؟ کیا تم اللہ کے بارے میں ایسی بات کہتے ہو جس سے تم خود لاعلم ہو۔ کہو جو لوگ اللہ کے بارے میں جھوٹ بول کر افتراء پردازی کرتے ہیں وہ ہرگز فلاح نہیں پائیں گے۔ ان کے لئے بس دنیا میں فائدہ کا سامان ہے۔ پھر ان کو ہماری طرف لوٹنا ہے۔ اس وقت ہم انہیں ان کے کفر کی پاداش میں سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔ (القرآن)

قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ الْغَنِيُّ ؕ لَهٗ مَا فِي
السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍۢ
بِهٰذَا ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾

۶۸ وہ کہتے ہیں اللہ نے اپنے لئے اولاد بنا رکھی ہے۔۱۰۴؎ پاکی ہے اس کے لئے۔ وہ بے نیاز ہے۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اس کی مِلک ہے۔ تمہارے پاس اس کی کیا دلیل ہے؟ کیا تم اللہ کے بارے میں ایسی بات کہتے ہو جس سے تم خود لاعلم ہو۔۱۰۵؎

قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا
يُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾ ؕ

۶۹ کہو جو لوگ اللہ کے بارے میں جھوٹ بول کر افتراء پردازی کرتے ہیں وہ ہرگز فلاح نہیں پائیں گے۔۱۰۶؎

مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ
الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾ ع

۷۰ ان کے لئے بس دنیا میں فائدہ کا سامان ہے۔ پھر ان کو ہماری طرف لوٹنا ہے ۱۰۷؎۔ اس وقت ہم انہیں ان کے کفر کی پاداش میں سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ
مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا
اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَ
لَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۷۱﴾

۷۱ انہیں نوح کی سرگذشت سناؤ ۱۰۸؎۔ جب اس نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ اے میری قوم کے لوگو! اگر میرا تمہارے درمیان رہنا اور اللہ کی آیتوں کے ذریعہ یاددہانی کرنا؟ ۱۰۹؎ تم پر شاق گذرتا ہے تو میرا بھروسہ صرف اللہ پر ہے۔ تم اپنا منصوبہ باندھ لو اور اپنے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کو بھی ساتھ لے لو اور تمہارا منصوبہ تم پر گنجلک نہ رہے۔ پھر میرے خلاف جو کچھ کرنا چاہتے ہو کر ڈالو اور مجھے ہرگز مہلت نہ دو۔۱۱۰؎

فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۙ
وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۷۲﴾

۷۲ اگر تم (میری تذکیر سے) اعراض کرتے ہو تو (اپنا ہی نقصان کرو گے) میں نے تم سے کوئی اجر تو مانگا نہیں ہے۔ میرا اجر اللہ ہی کے ذمہ ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں مسلم (فرمانبردار) بن کر رہوں۔۱۱۱؎

فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ
وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۷۳﴾

۷۳ مگر انہوں نے اسے جھٹلایا تو ہم نے اس کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ کشتی میں تھے بچا لیا ۱۱۲؎۔ اور ان کو با اقتدار بنایا۔ اور جن لوگوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا تھا ان کو غرق کر دیا ۱۱۳؎۔ تو دیکھو جن لوگوں کو خبردار کر دیا گیا تھا ان کا کیا انجام ہوا۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ
فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى
قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۷۴﴾

۷۴ پھر اس کے بعد ہم نے کتنے ہی رسولوں کو ان کی قوموں کی طرف بھیجا ۱۱۴؎۔ اور وہ ان کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے مگر جس چیز کو وہ پہلے جھٹلا چکے تھے اسے ماننے کے لئے تیار نہ ہوئے ۱۱۵؎۔ اس طرح ہم حد سے تجاوز کرنے والوں کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں۔۱۱۶؎

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ
بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۷۵﴾

۷۵ پھر انکے بعد ہم نے موسیٰ اور ہارون کو اپنی نشانیوں کیساتھ فرعون اور اسکے درباریوں کی طرف بھیجا مگر انہوں نے گھمنڈ کیا اور وہ مجرم لوگ تھے۔

۱۰۴۔ متن میں لفظ ''ولد'' استعمال ہوا ہے جو عربی میں واحد، جمع اور مذکر و مؤنث سب کیلئے آتا ہے۔ سلسلۂ کلام مشرکین مکہ کے خیالات کی تردید کرتا ہوا چلا آرہا ہے اس لئے یہاں بھی ان کے اس خیال کی تردید کرنا مقصود ہے کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں۔

۱۰۵۔ یہاں اللہ کے اولاد ہونے کی تردید میں پانچ باتیں کہی گئی ہیں۔ پہلی بات یہ کہ اللہ کیلئے پاکی ہے۔ یعنی اللہ کیلئے اولاد تجویز کرنا خالق کو مخلوق کے برابر سمجھنا ہے۔ اور ظاہر ہے یہ بات اس کے شایانِ شان ہرگز نہیں ہوسکتی۔ وہ اس قسم کی تمام گھٹیا باتوں سے پاک ہے اور اس کی ذات نہایت بالا و برتر ہے۔ دوسری بات یہ کہ وہ غنی یعنی بے نیاز ہے اس کو اس بات کی کیا ضرورت کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے؟ مجازی معنی میں انسان کسی کو بیٹا اس لئے بناتا ہے کہ وہ اپنے لئے مدد کا محتاج ہوتا ہے یا اپنے بعد کسی کو اپنا وارث بنانا چاہتا ہے۔ مگر خدا کے بارے میں تو ان میں سے کوئی بات بھی صحیح نہیں ہوسکتی۔ تیسری بات یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اس کی ملک ہے۔ یعنی کائنات کی تمام مخلوق اس کی مملوک اور بندہ ہے پھر کسی کا یہ مقام کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ بیٹے کی حیثیت سے خدا کی خدائی میں شریک ہو؟ چوتھی بات یہ کہ جو لوگ خدا کیلئے اولاد ہونے کے قائل ہیں ان کا یہ دعویٰ بلا دلیل ہے خدا کے کلام میں اس کی کہیں نشاندہی نہیں کی جاسکتی کہ خدا کے اولاد ہے۔۔۔۔۔۔ یا اس نے کسی کو بیٹا بنالیا ہے۔ اور پانچویں بات یہ کہ ایسا دعویٰ کرنا نری جہالت ہے کیوں کہ خدا کے بارے میں کوئی بات جب تک کہ صحیح ذریعہ سے انسان کے علم میں نہ آئی ہو، کہنا بڑی نادانی اور بہت بڑی جسارت ہے۔

۱۰۶۔ خدا کے بارے میں کوئی بات کہتے ہوئے انسان کو بہت محتاط ہونا چاہئے۔ خلاف حقیقت بات اس کی طرف منسوب کرنے سے کامیابی کی راہ بند ہوجاتی ہے۔

۱۰۷۔ یعنی اللہ کے حضور حاضر ہونا ہے۔

۱۰۸۔ نوح علیہ السلام کی سرگذشت تفصیل کے ساتھ سورۂ ہود اور سورۂ نوح میں بیان ہوئی ہے۔ یہاں اس سرگذشت کے ان پہلوؤں کو پیش کیا گیا ہے جن سے دعوتِ حق کو پیش کرنے کے معاملہ میں حضرت نوح کی غیر معمولی جرأت، نیز کمال درجہ کے عزم و توکل کا اظہار ہوتا ہے۔ اور دعوتِ حق کو رد کرنے والوں کے بُرے انجام سے بھی آگاہی ہوتی ہے۔

نوح علیہ السلام کا زمانہ اور دیگر تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ اعراف نوٹ ۹۵۔

۱۰۹۔ مراد وہ نشانیاں ہیں جو پیغمبر کی دعوت کے حق ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

۱۱۰۔ یہ چیلنج تھا جو نوح علیہ السلام نے قوم کی مخالفانہ سرگرمیوں کو دیکھ کر کیا تھا۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک پیغمبر کو اپنی دعوت کی حقانیت کا کتنا یقین ہوتا ہے اور ان کا عزم کیسا آہنی ہوتا ہے۔

۱۱۱۔ یہ آیت صراحت کرتی ہے کہ نوح علیہ السلام جو سب سے پہلے انسانی آبادی کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے مسلم تھے۔ یعنی ان کا دین اسلام ہی تھا اور وہ خدائے واحد کے فرماں بردار تھے۔

۱۱۲۔ کشتی میں ان ہی لوگوں نے پناہ لی تھی جو نوح علیہ السلام پر ایمان لائے تھے۔

۱۱۳۔ نوح علیہ السلام کی قوم زمین میں با اقتدار تھی۔ لیکن جب کفر کی پاداش میں اسے غرق کردیا گیا، تو اہل ایمان کے گروہ نے جسے اللہ تعالیٰ نے بچالیا تھا، زمین کا اقتدار سنبھالا۔ زمین پر حق و باطل کی یہ پہلی کشمکش تھی جس میں حق غالب ہوا اور اہل ایمان کو کافروں کے مقابلہ میں فتحمندی اور کامیابی نصیب ہوئی۔

۱۱۴۔ یعنی نوح کے بعد مختلف قوموں کی طرف رسول بھیجے۔ ان رسولوں کا ذکر سورۂ اعراف میں گذر چکا اور آگے سورۂ ہود میں آرہا ہے۔

۱۱۵۔ یہ انسان کی نفسیاتی کمزوری ہے کہ ایک مرتبہ جس چیز کو وہ رد کردیتا ہے اس پر نظر ثانی کرنے کیلئے آمادہ نہیں ہوتا۔ غلط قدم اٹھانے کے بعد واپسی اس کے لئے مشکل ہوتی ہے۔

۱۱۶۔ دلوں پر مہر لگانے کی تشریح سورۂ بقرہ نوٹ ۱۵ میں گذر چکی۔

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷۶﴾

۷۶ جب ہمارے طرف سے حق ان کے سامنے آیا تو انہوں نے کہا یہ تو کھلا جادو ہے۔ ۱۱۷ـ

قَالَ مُوْسٰٓى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ؕ اَسِحْرٌ هٰذَا ؕ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ﴿۷۷﴾

۷۷ موسیٰ نے کہا کیا تم حق کے بارے میں جب کہ وہ تمہارے سامنے آ گیا یہ کہتے ہو کہ یہ کہیں جادو تو نہیں؟ حالانکہ جادوگر کبھی فلاح نہیں پا سکتے۔ ۱۱۸ـ

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِى الْاَرْضِ ؕ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۸﴾

۷۸ انہوں نے جواب دیا کہ تم اس لئے ہمارے پاس آئے ہو کہ جس طریقہ پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے اس سے ہمیں ہٹا دو اور ملک میں تم دونوں کو بڑائی حاصل ہو جائے ۱۱۹ـ۔ ہم تو تمہاری بات ماننے والے نہیں ہیں۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِىْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿۷۹﴾

۷۹ اور فرعون نے کہا تم ماہر جادوگروں کو میرے پاس لے آؤ۔

فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۸۰﴾

۸۰ جب جادوگر آ گئے تو موسیٰ نے ان سے کہا: تمہیں جو کچھ ڈالنا ہے ڈال دو۔

فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۱﴾

۸۱ پھر جب انہوں نے (اپنی رسیاں اور لاٹھیاں) ڈال دیں تو موسیٰ نے کہا: یہ جو کچھ تم نے پیش کیا ہے جادو ہے۔ یقیناً اللہ اسے باطل کر دے گا اللہ مفسدوں کے کام کو کارگر نہیں بناتا۔ ۱۲۰ـ

وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۸۲﴾

۸۲ اور اللہ اپنے فرمانوں سے حق کو حق کر دکھاتا ہے ۱۲۱ـ۔ اگرچہ مجرموں کو ناگوار ہو۔

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ؕ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِى الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۸۳﴾

۸۳ مگر موسیٰ کی بات اس کی قوم ۱۲۲ـ کے کچھ نوجوانوں کے سوا کسی نے نہیں مانی فرعون اور ان کے سرداروں سے ڈرتے ۱۲۳ـ ہوئے کہ کہیں وہ کسی مصیبت میں مبتلا نہ کر دیں ۱۲۴ـ۔ واقعہ یہ ہے کہ فرعون زمین میں بڑا ہی سرکش تھا اور ان لوگوں میں سے تھا جو حد سے تجاوز کرتے ہیں۔ ۱۲۵ـ

وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ﴿۸۴﴾

۸۴ اور موسیٰ نے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو تو اسی پر بھروسہ کرو اگر واقعی تم مسلم ہو۔ ۱۲۶ـ

فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۵﴾

۸۵ انہوں نے کہا ہم نے اللہ ہی پر بھروسہ کیا، اے ہمارے رب! ہمیں ظالموں کے ظلم کا نشانہ نہ بنا۔ ۱۲۷ـ

وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾

۸۶ اور اپنی رحمت کے ذریعہ ہمیں کافر قوم سے نجات دے۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۷﴾

۸۷ اور ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی ۱۲۸ـ پر وحی کی کہ اپنی قوم کیلئے مصر میں چند گھر مہیا کرو ۱۲۹ـ اور اپنے گھروں کو قبلہ بنالو ۱۳۰ـ اور نماز قائم کرو ۱۳۱ـ۔ اور اہل ایمان کو خوشخبری دے دو۔ ۱۳۲ـ

۱۱۷۔ اس واقعہ کو بیان کرنے سے مقصود خاص طور سے اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ جس طرح موسیٰ (علیہ السلام) کی دعوتِ حق کو فرعونیوں نے جادو قرار دیا تھا، اسی طرح حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دعوتِ حق کو کفارِ مکہ جادو قرار دے رہے ہیں۔

۱۱۸۔ جب پیغمبر کے معجزہ اور جادوگروں کے ساحرانہ کرتب کے درمیان مقابلہ آرائی ہوتی ہے تو جادوگروں کو اپنے منہ کی کھانی پڑتی ہے اور انہیں کبھی عزت نصیب نہیں ہوتی یہ تو ہے دنیا میں ان کی ناکامی۔ رہی آخرت کی کامیابی اور سرخروئی تو جادوگر اس سے یقیناً محروم رہیں گے۔ کیوں کہ وہ لوگوں کو گمراہ کرنے کیلئے فریب نظر کا سامان کرتے رہے۔

۱۱۹۔ یعنی مصر کا اقتدار تمہارے ہاتھ میں آجائے۔ یہ فرعون کی طرف سے موسیٰ اور ہارون علیہ السلام پر ایسا ہی الزام تھا، جیسا کہ ان پر ملک میں فساد کرانے کا الزام لگایا گیا تھا۔ (سورۂ اعراف آیت ۱۲۷) ورنہ انہوں نے سیاسی اقتدار کے مسئلہ کو ابھی چھیڑا ہی نہیں تھا کیونکہ یہ دعوت کا مرحلہ تھا نہ کہ بالفعل نظام حکومت قائم کرنے کا مرحلہ۔ انبیاء علیہم السلام کی دعوت کے مضمرات میں سیاسی اقتدار کی بات بھی شامل ہوتی ہے اور عملاً اس کا ظہور اس وقت ہوتا ہے جب کہ ان کی مخاطب قوم ان کی دعوت پر ایمان لے آتی ہے۔ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام فرعون اور اس کی قوم کو ایمان لانے کی دعوت دے رہے تھے۔ انہوں نے فرعون کو اقتدار سے ہٹانے کے لئے کوئی سیاسی منصوبہ نہیں بنایا تھا اس لئے ان پر حصولِ اقتدار کا الزام بالکل بے بنیاد تھا۔

۱۲۰۔ کسی غلط کام کو کر کے اچھے نتیجہ کی توقع رکھنا ایسا ہی ہے جیسے آگ جلا کر اس سے ٹھنڈک حاصل کرنے کی امید رکھنا۔ اللہ کا قانون یہ ہے کہ تخریبی کاموں سے کبھی تعمیر کا کام انجام نہیں پاسکتا۔ پھر جادو سے جو سراسر فریب ہے مفید نتائج کیونکر برآمد ہو سکتے ہیں؟ ایک پیغمبر انسانوں کی جو رہنمائی کرتا ہے اس کے مقابلہ میں جادوگر کیا رہنمائی کر سکتے ہیں؟

۱۲۱۔ چنانچہ اس کے حکم سے موسیٰ کی لاٹھی حقیقتاً سانپ بن گئی اور جادوگروں کے بناوٹی سانپوں کو یہ سانپ نگل گیا۔ اس طرح جادوگروں کے مقابلہ میں موسیٰ کو کامیابی ہوئی اور ان کا پیغمبر ہونا ثابت ہوگیا۔ (مزید تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ اعراف نوٹ ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹)

۱۲۲۔ اس کی قوم سے مراد فرعون کی قوم ہے کیوں کہ اوپر سے سلسلۂ بیان فرعون، اس کے امراء اور جادوگروں کے بارے میں چلا آرہا ہے۔

۱۲۳۔ یعنی موسیٰ نے جو حق پیش کیا تھا اس کو قبول کرنے والے چند باہمت نوجوان ہی نکلے۔ یہ نوجوان مصر کی قبطی قوم سے تعلق رکھتے تھے کیوں کہ جہاں تک بنی اسرائیل کا تعلق ہے وہ پہلے سے مسلمان تھے اور انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی رسالت پر ایمان لا کر انہیں اپنا قائد تسلیم کرلیا تھا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ بنی اسرائیل کی رہائی کا مطالبہ کس طرح کرتے؟ اس لئے جن مفسرین نے یہاں بنی اسرائیل کے نوجوان مراد لئے ہیں ان کی رائے سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا۔

۱۲۴۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ فرعون اور مصری قوم کے سربرآوردہ لوگوں نے اسلام قبول کرنے والوں کے خلاف کیسی ظالمانہ پالیسی اختیار کر رکھی تھی۔ فرعون اپنی قوم کے لوگوں کو عقیدہ اور ضمیر کی آزادی دینے کیلئے تیار نہ تھا۔ اس لئے حق کے نمایاں ہو جانے کے باوجود اس کو قبول کرنے کے لئے لوگ عام طور سے آمادہ نہیں ہوئے سوائے نوجوانوں کے ایک قلیل گروہ کے، جس نے تمام خطرات کے باوجود موسیٰ علیہ السلام کی دعوتِ حق کو قبول کرلیا۔

۱۲۵۔ فرعون سرکش بھی تھا اور حد سے زیادہ ظالم بھی۔ خدا سے سرکشی کے نتیجہ میں اس میں ایسا گھمنڈ پیدا ہوگیا تھا کہ اخلاق اور انسانیت کے تمام حدود کو توڑ کر وہ وحشت وہ بربریت پر اُتر آیا تھا۔

۱۲۶۔ یعنی تمہارے مؤمن ہونے اور اپنے کو اللہ کے حوالہ کرنے کا تقاضا یہ ہے کہ تمہارا بھروسہ اللہ ہی پر ہے۔ فرعون کی ظالمانہ کارروائیوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے تمہیں حق پر جم جانا چاہئے۔ اور یقین رکھنا چاہئے کہ انجام کار کی کامیابی اہل ایمان ہی کے لئے ہے۔

اللہ پر توکل جب آدمی کا واقعی ذہنی فیصلہ ہو تو اس کے اندر دلجمعی کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، جو ناسازگار حالات میں مؤمن کا سب سے بڑا دفاعی ہتھیار ہے۔

۱۲۷۔ موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے اللہ پر توکل کا اظہار کرتے ہوئے دعا کی کہ خدا ان ظالموں کو ایسا غلبہ عطاء نہ فرما کہ وہ ہم کو اپنی ظالمانہ کارروائیوں کے لئے تختۂ مشق بنالیں۔

۱۲۸۔ یعنی ہارون (علیہ السلام) پر جو نبی تھے۔

۱۲۹۔ یعنی چند گھروں کو مسجد کے طور پر مخصوص کرلو۔ غالباً مصر میں پہلے سے مسجدیں موجود نہیں رہی ہوں گی، جس کی وجہ ممکن ہے یہ رہی ہو کہ فرعون نے اس کی اجازت نہ دی ہو اور موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے بعد چونکہ بنی اسرائیل کو مصر سے ہجرت کر جانا تھا۔ اس لئے وہاں مستقل طور سے مسجدیں تعمیر کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ گھروں کو مخصوص کر کے ان کو عارضی طور سے مسجد قرار دینے کا حکم دیا گیا تاکہ نماز با جماعت کا اہتمام ہو۔

اس سے یہ رہنمائی ملتی ہے کہ اگر کسی جگہ مسجد کی تعمیر ممکن نہ ہو تو کسی مکان یا مدرسہ کو عارضی مسجد قرار دیا جا سکتا ہے، تاکہ نماز با جماعت کی ممکن صورت اختیار کی جا سکے۔

۱۳۰۔ خطاب موسیٰ کی قوم سے ہے اور قبلہ سے مراد مرکز عبادت ہے۔ مطلب یہ ہے۔ اور اللہ کے کلام کا مطلب اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ کہ ان گھروں کو مرکزِ عبادت بناؤ اور عارضی مساجد کے طور پر استعمال کرو۔

۱۳۱۔ واضح ہوا کہ اقامت الصلوٰۃ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کا اہم رکن تھا۔ اور باوجود اس کے کہ بنی اسرائیل فرعون کی غلامی میں زندگی بسر کر رہے تھے، انہیں نماز کی پابندی کا حکم دیا گیا تھا۔ مگر موجودہ تورات میں صراحت کے ساتھ اس کا ذکر نہیں ہے۔ البتہ مصر میں بنی اسرائیل کے خدا کے حضور سجدہ ریز ہونے کا ذکر ہے۔ تورات کی کتاب خروج میں ہے:

''تب لوگوں نے سر جھکا کر سجدہ کیا'' (خروج ۱۲:۲۷)

۱۳۲۔ خطاب موسیٰ علیہ السلام سے ہے۔ انہیں ہدایت کی گئی کہ اہل ایمان کو، جو اللہ پر بھروسہ کر کے فرعون کے مقابلہ پر جم گئے ہیں اور نماز قائم کر رہے ہیں، کامیابی کی خوشخبری دیدو تاکہ ان کی ڈھارس بندھ جائے۔

❑❑❑❑❑❑

اور موسیٰ نے دعا کی اے ہمارے رب! تو نے فرعون اور
اس کے سرداروں کو دنیا کی زندگی میں شان وشوکت اور مال
و دولت بخشی ہے خدایا! تا کہ وہ تیری راہ سے (لوگوں کو)
بھٹکائیں۔اے ہمارے رب! ان کے مال تباہ کر دے
اور ان کے دلوں کو ایسا سخت کر دے کہ وہ ایمان نہ لائیں
یہاں تک کہ دردناک عذاب دیکھ لیں۔فرمایا تم دونوں کی
دعا قبول کر لی گئی۔تم ثابت قدم رہو اور ان لوگوں کی راہ نہ
چلو جو جانتے نہیں ہیں۔(القرآن)

وَقَالَ مُوسَىٰ رَبَّنَا إِنَّكَ آتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَأَهُ زِينَةً
وَأَمْوَالًا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا رَبَّنَا لِيُضِلُّوا عَنْ سَبِيلِكَ رَبَّنَا
اطْمِسْ عَلَىٰ أَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوا حَتَّىٰ
يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ﴿٨٨﴾

۸۸ اور موسیٰ نے دعا کی اے ہمارے رب! تو نے فرعون اور اسکے سرداروں کو دنیا کی زندگی میں شان وشوکت اور مال و دولت بخشی ہے خدایا! تا کہ وہ تیری راہ سے (لوگوں کو) بھٹکائیں ۱۳۳ ؎۔ اے ہمارے رب! ان کے مال تباہ کر دے اور ان کے دلوں کو ایسا سخت کر دے کہ وہ ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ دردناک عذاب دیکھ لیں۔ ۱۳۴ ؎

قَالَ قَدْ أُجِيبَتْ دَعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيمَا وَلَا تَتَّبِعَانِّ سَبِيلَ
الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٨٩﴾

۸۹ فرمایا تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی ۱۳۵ ؎۔ تم ثابت قدم رہو اور ان لوگوں کی راہ نہ چلو جو جانتے نہیں ہیں۔ ۱۳۶ ؎

وَجَاوَزْنَا بِبَنِي إِسْرَائِيلَ الْبَحْرَ فَأَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُودُهُ بَغْيًا
وَعَدْوًا حَتَّىٰ إِذَا أَدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ آمَنْتُ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا
الَّذِي آمَنَتْ بِهِ بَنُو إِسْرَائِيلَ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿٩٠﴾

۹۰ اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر پار کرا دیا ۱۳۷ ؎۔ پھر فرعون اور اس کے لشکر نے ظلم اور عناد کی بنا پر ان کا پیچھا کیا ۱۳۸ ؎۔ یہاں تک کہ جب وہ ڈوبنے لگا تو پکار اٹھا! میں ایمان لایا کہ اس خدا کے سوا جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں کوئی خدا نہیں۔ اور میں ان لوگوں میں شامل ہوں جو مسلم ہیں۔ ۱۳۹ ؎

آلْآنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ ﴿٩١﴾

۹۱ اب ایمان لاتا ہے! ۱۴۰ ؎ حالانکہ اس سے پہلے تو نافرمانی کرتا رہا اور مفسد بنا رہا۔

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلْفَكَ آيَةً ۚ وَإِنَّ كَثِيرًا
مِنَ النَّاسِ عَنْ آيَاتِنَا لَغَافِلُونَ ﴿٩٢﴾

۹۲ تو آج ہم تیری لاش کو بچائیں گے تا کہ تُو بعد والوں کے لئے نشانِ (عبرت) ہو ۱۴۱ ؎۔ اور حقیقت یہ ہے کہ بہت سے لوگ ہماری نشانیوں کی طرف سے غافل رہتے ہیں۔

وَلَقَدْ بَوَّأْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ مُبَوَّأَ صِدْقٍ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ
الطَّيِّبَاتِ فَمَا اخْتَلَفُوا حَتَّىٰ جَاءَهُمُ الْعِلْمُ ۚ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي
بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿٩٣﴾

۹۳ ہم نے بنی اسرائیل کو بہت اچھا ٹھکانا دیا ۱۴۲ ؎۔ اور پاکیزہ رزق عطاء کیا ۱۴۳ ؎۔ پھر باوجود اس کے کہ ان کے پاس علم آ چکا تھا وہ اختلاف میں پڑ گئے ۱۴۴ ؎۔ یقیناً تمہارا رب قیامت کے دن ان کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کر دے گا جن کا وہ اختلاف کرتے رہے ہیں۔

فَإِنْ كُنْتَ فِي شَكٍّ مِمَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ فَاسْأَلِ الَّذِينَ يَقْرَءُونَ
الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَاءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ
مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿٩٤﴾

۹۴ اور اگر تمہیں اس کتاب کے بارے میں شک ہو جو ہم نے تمہاری طرف نازل کی ہے تو ان لوگوں سے پوچھ لو جو پہلے سے کتاب پڑھتے آ رہے ہیں ۱۴۵ ؎۔ یقیناً تمہارے پاس حق آ گیا ہے تمہارے رب کی طرف سے۔ لہٰذا تم ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جاؤ۔

وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ فَتَكُونَ مِنَ
الْخَاسِرِينَ ﴿٩٥﴾

۹۵ اور نہ ان لوگوں میں سے ہو جاؤ جنہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا ورنہ تم تباہ ہونے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔

۱۳۳؎ یہ ایسی بات ہے کہ جیسے کوئی شخص کسی نااہل شاگرد کے بارے میں اس کے استاد سے یہ کہے کہ آپ نے اس کو اسی لئے پڑھایا تھا کہ امتحان میں ناکام ہو۔ظاہر ہے یہ بات نتیجہ کے اعتبار سے ہی کہی جاتی ہے نہ کہ مقصد کے اعتبار سے۔موسیٰ علیہ السلام کے اس قول کا مطلب بھی یہی ہے کہ خدایا تو نے یہ تمدنی وسائل فرعون اور اس کے سرداروں کو اس لئے تو عطا نہیں کئے تھے کہ وہ لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے ان کو استعمال کرے۔لیکن تیری عطاو بخشش سے وہ غلط فائدہ اٹھا رہے ہیں کہ گویا یہ چیزیں ان کو اسی غرض سے دی گئی تھیں۔

۱۳۴؎ یہ دعا موسیٰ علیہ السلام نے اس وقت کی جب فرعون اور اسکے امراء پر حق کی حجت پوری طرح قائم ہوگئی تھی۔اور وہ محض ہٹ دھرمی کی وجہ سے اس کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوئے۔جب کوئی قوم سرکشی کی آخری حد کو پہنچتی ہے تو اس کی حیثیت ایک سڑی ہوئی لاش کی ہوجاتی ہے جس کے تعفن سے ماحول کو پاک کرنے کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ اسے ممکنہ عجلت کے ساتھ زمین میں دفن کردیا جائے۔اور اللہ تعالیٰ کی سنت یہی ہے کہ وہ ایسی قوم پر عذاب نازل کر کے اس کے وجود سے زمین کو پاک کردیتا ہے۔موسیٰ علیہ السلام کی دعا اسی سنتِ الٰہی کے ظہور کے لئے تھی۔

۱۳۵؎ چونکہ یہ دعا سنت الٰہی کے ظہور کے لئے تھی اور ٹھیک وقت پر کی گئی تھی اسلئے فوراً قبول ہوئی۔یہ دعا موسیٰ علیہ السلام نے کی تھی اور ہارون علیہ السلام اس دعا میں شریک تھے۔

۱۳۶؎ یعنی وہ نہیں جانتے کہ جس راہ کو انہوں نے اختیار کیا ہے وہ انہیں جہنم کی طرف لے جانے والی ہے۔

۱۳۷؎ بنی اسرائیل کے سمندر پار کرانے کا قصہ بائبل میں بھی بیان ہوا ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ ایک رات خدا کی طرف سے فرعونیوں پر ایسی آفت آئی کہ ان سب کے پہلوٹھے (پہلا بچہ) ہلاک ہوگئے اور مصر میں بڑا کہرام مچ گیا۔فرعون نے گھبرا کر موسیٰ وہارون کو بلوایا اور ان کو اجازت دی کہ بنی اسرائیل کو لے کر نکل جائیں۔موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر رعمیسس سے جہاں ان کی آبادیاں تھیں نکلے اور وہاں سے سکات تک پیدل سفر کیا۔پھر سکات سے کوچ کر کے ایتام پہنچے اور ایتام سے فی ہیحروت کی طرف جو بعل صفوان کے مقابل ہے مڑ گئے اور مجدال میں ٹھہر کر فی ہیحروت کے سامنے کوچ کیا اور سمندر کے بیچ سے گذر کر بیابان (صحرائے سیناء) میں داخل ہوگئے۔بائبل میں یہ صراحت بھی ہے کہ مصر سے فلسطین کو جانے کے لئے جو قریبی راستہ تھا اس راستہ سے خدا ان کو نہیں لے گیا، بلکہ ان کو چکر کھلا کر بحر قلزم کے بیابان کے راستہ سے لے گیا۔یعنی نزدیک کا راستہ چھوڑ کر دور کا راستہ مصلحۃً اختیار کیا گیا تھا۔

یہ قصہ تفصیل کے ساتھ خروج باب ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، اور گنتی باب ۳۳ میں بیان ہوا ہے۔

جس سمندر کو بنی اسرائیل نے عبور کیا تھا اس کا نام بائبل کے اردو ترجمہ میں بحر قلزم، انگریزی ترجمہ میں (Red Sea) اور عربی ترجمہ میں ''بحر سُوف'' بیان ہوا ہے یہ اصل عبرانی نام ''یم سوف'' کا ترجمہ ہے۔عبرانی میں یم سمندر کو کہتے ہیں اس زمانہ میں خلیج سویز کے شمال کی جانب ایک چھوٹا سمندر بحر مُرّہ (Bitter Lakes) تھا جو خلیج سویز سے ملا ہوا تھا۔بنی اسرائیل غالباً اسی سمندر کو پار کر کے صحرائے شور (سیناء) میں داخل ہوگئے تھے۔بائبل میں مختلف مقامات کے جو نام آئے ہیں وہ نام اب معروف نہیں رہے اس لئے بائبل کے شارحین بھی اس مقام کی ٹھیک ٹھیک نشاندہی نہیں کر پائے ہیں۔جہاں سے بنی اسرائیل نے سمندر عبور کیا تھا ''اے ڈکشنری آف دی بائبل'' کا مؤلف لکھتا ہے:

" The ganeral opinion. however basad on Constant Sceripture repersantation, is that the sea crossed by the Israelites was the Gulf of Suez. probably at a point immediately north or just south of the Bitter Lakes"

(A Dictionary of the Bible by Johan D. Davis London Edition iv page 647 - 648)

بہر کیف بنی اسرائیل کے سمندر کے عبور کرنے کا واقعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک کھلا معجزہ تھا۔مزید تشریح آگے سورۂ شعراء میں آرہی ہے۔

۱۳۸؎ فرعون نے پہلے تو بنی اسرائیل کو اپنے ملک سے جانے کی اجازت دیدی۔لیکن بعد میں جب یہ خیال آیا کہ اس طرح تو ہم نے ان کو اپنی خدمت سے

چھٹی دیدی تُو اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ ان کا پیچھا کیا۔ فرعون کا یہ اقدام سراسر ظالمانہ اور معاندانہ تھا۔

۱۳۹۔ فرعون کے اس اقرار کا ذکر بائبل میں نہیں ہے۔ لیکن قرآن نے واقعہ کے اس اہم پہلو کو اس طرح پیش کر دیا ہے کہ فرعون کی بے بسی کی تصویر ابھر کر سامنے آجاتی ہے۔ فرعون کا یہ اقرار فطرت کی وہ آواز تھی جس کو اس نے اپنے نفس پر ظلم کر کے دبائے رکھا تھا۔ لیکن جب موت کو سامنے دیکھ لیا تو فطرت بول اٹھی اور حق وہ جو سر چڑھ کر بولے۔ فرعون جیسے سرکش اور ظالم بادشاہ کو بھی بالآخر توحید اور اسلام کی حقانیت کا اعتراف کرنا پڑا۔

۱۴۰۔ یعنی فرعون سے جب وہ ڈوب رہا تھا کہا گیا کہ اب جب کہ موت سامنے کھڑی ہے ایمان لانے کا کوئی فائدہ نہیں، کیوں کہ امتحان کا وقت ختم ہو گیا اب تو نتائج کا سامنا کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی یہ سنت قرآن میں بیان کردی ہے کہ عذاب کو دیکھ کر ایمان لانا کچھ بھی مفید نہیں ہوتا۔

فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ إِيمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا (المؤمن: ۸۵) ''ان کا ایمان لانا ان کے کچھ بھی کام نہ آیا جب کہ انہوں نے ہمارے عذاب کو دیکھ لیا''۔

۱۴۱۔ فرعون کی لاش سمندر میں تحلیل نہیں ہوئی بلکہ ساحل پر آ لگی تا کہ لوگ اس کی لاش کو دیکھ کر عبرت حاصل کریں کہ ظالموں پر اللہ کا کوڑا کس طرح برستا ہے! اور جو اپنی برائی کا گھمنڈ کرتے ہیں ان کا کیا حشر ہوتا ہے۔ بائبل میں یہ واقعہ اس طرح بیان ہوا ہے:

''اور خداوند نے موسیٰ سے کہا کہ اپنا ہاتھ سمندر کے اوپر بڑھا تا کہ پانی مصریوں اور ان کے رتھوں اور سواروں پر پھر بہنے لگے۔ اور موسیٰ نے اپنا ہاتھ سمندر کے اوپر بڑھایا اور صبح ہوتے ہوتے سمندر پھر اپنی اصل قوت پر آ گیا اور مصری الٹے بھاگنے لگے۔ اور خداوند نے سمندر کے بیچ ہی میں مصریوں کو تہ و بالا کر دیا۔ اور پانی پلٹ کر آیا اور اس نے رتھوں اور سواروں اور فرعون کے سارے لشکر کو جو اسرائیلیوں کا پیچھا کرتا ہوا سمندر میں گیا تھا غرق کر دیا اور ایک بھی ان میں سے باقی نہ چھوٹا۔ پر بنی اسرائیل سمندر کے بیچ میں سے خشک زمین پر چل کر نکل گئے اور پانی ان کے دہنے اور بائیں ہاتھ دیوار کی طرح رہا۔ سو خداوند نے اس دن اسرائیلیوں کو مصریوں کے ہاتھ سے اس طرح بچایا اور اسرائیلیوں نے مصریوں کو سمندر کے کنارے مرے ہوئے پڑے دیکھا۔ اور اسرائیلیوں نے وہ بڑی قدرت جو خداوند نے مصریوں پر ظاہر کی دیکھی اور وہ لوگ خداوند سے ڈرے اور خداوند پر اور اس کے بندہ موسیٰ پر ایمان لائے''۔ (خروج ۱۴: ۲۶ تا ۳۱)

بائبل کے شارح نے بنی اسرائیل کے خروج کو تیرہویں صدی قبل مسیح کا واقعہ بتلایا ہے اور لکھا ہے کہ یہ فرعون غالباً رعمیس دوم (Raamses II) تھا۔

(Peakes Commentary on the Bible - Newyork . p.115)

اور رعمیس دوم کی ممی آج بھی قاہرہ کے میوزیم میں موجود ہے اور زبان حال سے پکار کر کہہ رہی ہے۔ ع دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو۔

His Mummy is now in the museum at Bulak" (A Dictionary of the Bible word pha' roah page 600)

۱۴۲۔ اچھے ٹھکانے سے مراد شام اور فلسطین کی سرزمین بھی ہے اور عزت کا مقام بھی۔ مزید تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ اعراف نوٹ ۱۹۶ اور ۱۹۷۔

۱۴۳۔ اشارہ ہے ان نعمتوں کی طرف جو انہیں سرزمین فلسطین میں عطا ہوئیں۔ بائبل میں بہ کثرت مقامات پر اس ملک کی یہ تعریف بیان کی گئی ہے کہ وہاں دودھ اور شہد بہتا ہے۔ مثال کے طور پر ملاحظہ ہو خروج: ۳: ۸۔

۱۴۴۔ علم سے مراد دین اور شریعت کا علم ہے۔ واضح کرنا یہ مقصود ہے کہ بنی اسرائیل کے درمیان جو اختلافِ دین اور شریعت کے معاملہ میں پیدا ہوئے وہ اس بنا پر نہیں ہوئے کہ انہیں ان باتوں کا صحیح علم بخشا نہیں گیا تھا۔ بلکہ تورات اور انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ ان کی صحیح صحیح رہنمائی کی گئی تھی۔ اور ان پر یہ بھی اچھی طرح واضح کر دیا گیا تھا کہ اصل دین کیا ہے۔ اللہ کے احکام کیا ہیں اور ان کی نجات کس بات پر موقوف ہے؟ مگر ان واضح تعلیمات کے باوجود انہوں نے اختلاف کی راہ اختیار کی۔

(مزید تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ آل عمران نوٹ الف ۱۳۷ اور سورہ بینہ نوٹ ۷)

۱۴۵ جس وقت یہ سورہ نازل ہوئی ہے بہت کم لوگ قرآن پر ایمان لائے تھے۔ اور ایک اچھی خاصی تعداد ان لوگوں کی تھی جو تذبذب میں مبتلا تھی۔ چونکہ وہ ایک ایسی قوم سے تعلق رکھتے تھے، جس کے پاس اللہ کی کوئی کتاب پہلے سے موجود نہیں تھی۔ اس لئے انہیں اس بات کو تسلیم کرنے میں تردد تھا کہ واقعی اللہ تعالیٰ کتاب نازل فرماتا ہے اور یہ کہ قرآن کلام الٰہی ہے۔ ان کے اس تردد کو دور کرنے کیلئے یہاں فرمایا گیا کہ قرآن پہلی کتاب نہیں ہے جو اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہو بلکہ اس سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ کتابیں نازل فرماتا رہا ہے اور تمہارے درمیان اہل کتاب تو موجود ہی ہیں جو تورات پڑھتے رہتے ہیں۔ ان سے اس بات کی تصدیق ہو سکے گی کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی ہدایت کیلئے کتابیں نازل فرماتا رہا ہے۔ اور ان میں جو لوگ حق پسند ہیں وہ قرآن کے کتاب الٰہی ہونے کی بھی تصدیق کریں گے۔ کیوں کہ جو شخص کتاب الٰہی سے آشنا ہو وہ قرآن کو سنتے ہی پہچان لے گا کہ یہ خدا کا کلام ہے۔

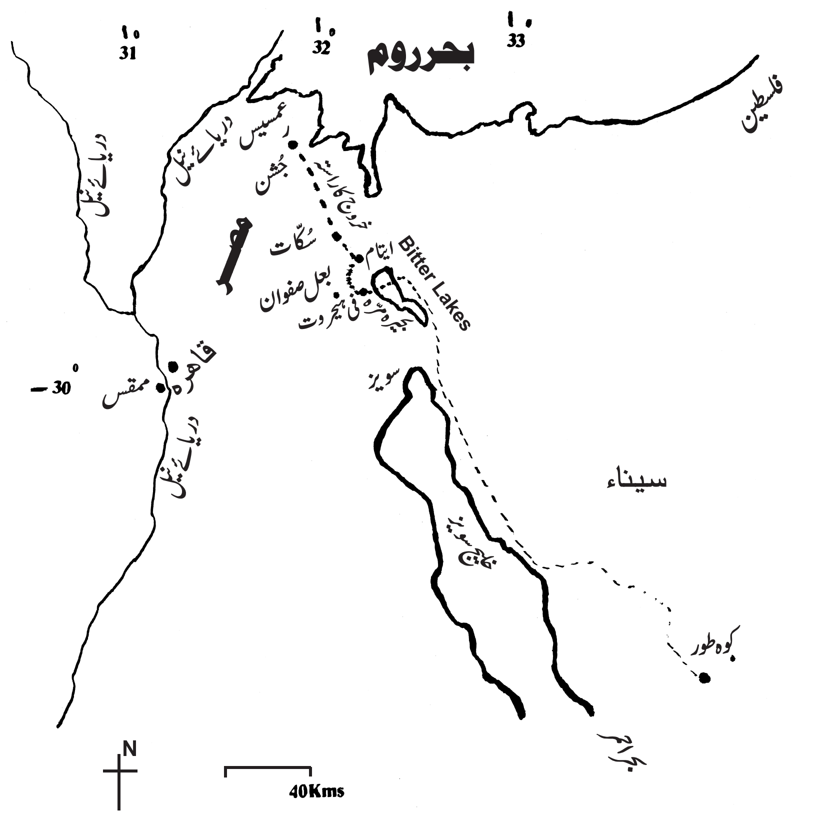

بنی اسرائیل کے خروج کا راستہ

خلیج سویز اور بحیرۂ مرہ اس زمانہ میں ملے ہوئے تھے۔ بعد کے زمانہ میں دونوں کے درمیان خشکی کا حصہ ابھر آیا اور موجودہ زمانہ میں نہر سویز کے ذریعہ خلیج سویز کو بحر روم سے جوڑ دیا گیا۔ اس پورے خلیج کو بحر قلزم بھی کہا جاتا رہا ہے۔ اور بحر احمر (Red Sea) بھی۔

جس مقام سے بنی اسرائیل نے سمندر پار کیا اس کا نام بائبل میں فی ہجروت (مقابل بعل صفون اور مجدال) آیا ہے مگر یہ نام اب معروف نہیں ہے اس لئے ان کا ٹھیک ٹھیک محل وقوع معلوم کرنا مشکل ہے تاہم اندازہ ہے کہ بحیرۂ مرہ (بحر قلزم کا ایک حصہ) کو پار کر کے وہ صحرائے سیناء میں داخل ہوئے ہوں گے اور فرعون بحیرۂ مرّہ میں غرق ہوا ہوگا۔ (واللہ اعلم)

إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٩٦﴾

۹۶ یقیناً جن لوگوں پر تمہارے رب کا فرمان صادق آ گیا ہے وہ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔۱۴۶؎

وَلَوْ جَاءَتْهُمْ كُلُّ آيَةٍ حَتَّىٰ يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ﴿٩٧﴾

۹۷ گو ان کے پاس ہر طرح کی نشانیاں آ جائیں جب تک کہ وہ دردناک عذاب دیکھ نہ لیں۔

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ آمَنَتْ فَنَفَعَهَا إِيمَانُهَا إِلَّا قَوْمَ يُونُسَ لَمَّا آمَنُوا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنَاهُمْ إِلَىٰ حِينٍ ﴿٩٨﴾

۹۸ پھر ایسا کیوں نہ ہوا کہ کوئی بستی ایمان لاتی اور اس کا ایمان لانا اس کیلئے مفید ہوتا بجز قوم یونس کے۔ جب وہ ایمان لائی تو ہم نے اس پر سے دنیا کی زندگی میں ذلت کے عذاب کو دور کر دیا ۱۴۷؎۔ اور ایک مدت تک اسے (سامان زندگی سے) فائدہ اٹھانے کا موقع دیا۔

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَنْ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا ۚ أَفَأَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّىٰ يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ﴿٩٩﴾

۹۹ اگر تمہارا رب چاہتا تو روئے زمین پر جتنے لوگ ہیں سب کے سب ایمان لے آتے۔ پھر کیا تم لوگوں کو مجبور کرو گے کہ وہ مؤمن ہو جائیں؟ ۱۴۸؎

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تُؤْمِنَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ﴿١٠٠﴾

۱۰۰ اور کسی شخص کیلئے ممکن نہیں کہ وہ اللہ کے اذن کے بغیر ایمان لائے۔ اور وہ ان لوگوں پر گندگی ڈال دیتا ہے جو عقل سے کام نہیں لیتے۔ ۱۴۹؎

قُلِ انْظُرُوا مَاذَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَمَا تُغْنِي الْآيَاتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٠١﴾

۱۰۱ (ان سے) کہو دیکھو آسمانوں اور زمین میں کیا کچھ ہے ۱۵۰؎۔ مگر جو لوگ ایمان لانا ہی نہیں چاہتے ان کیلئے نشانیاں اور تنبیہیں کچھ بھی مفید نہیں ہو سکتیں۔

فَهَلْ يَنْتَظِرُونَ إِلَّا مِثْلَ أَيَّامِ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ قُلْ فَانْتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْتَظِرِينَ ﴿١٠٢﴾

۱۰۲ یہ لوگ اس کے سوا اور کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں کہ جو دن ان سے پہلے کے لوگوں پر گذر چکے اسی طرح کے دن ان پر بھی آئیں ۱۵۱؎۔ کہو تم بھی انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔

ثُمَّ نُنَجِّي رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا ۚ كَذَٰلِكَ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٠٣﴾

۱۰۳ پھر ہم اپنے رسولوں کو اور ایمان لانے والوں کو بچا لیا کرتے ہیں۔ جیسا کہ ہم کرتے رہے ہیں۔ ہم پر یہ حق ہے کہ مؤمنوں کو بچا لیں۔ ۱۵۲؎

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنْ كُنْتُمْ فِي شَكٍّ مِنْ دِينِي فَلَا أَعْبُدُ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَٰكِنْ أَعْبُدُ اللَّهَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُمْ ۖ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٠٤﴾

۱۰۴ کہو اے لوگو! اگر تم میرے دین کے بارے میں شک میں ہو تو (سن لو) میں ان کی پرستش نہیں کرتا جن کی تم اللہ کے سوا پرستش کرتے ہو۔ ۱۵۳؎ بلکہ میں اللہ کی پرستش کرتا ہوں جو تم کو وفات دیتا ہے ۱۵۴؎۔ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ایمان لانے والوں میں سے ہو جاؤں۔ ۱۵۵؎

وَأَنْ أَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٠٥﴾

۱۰۵ اور یہ کہ تم اپنا رخ ٹھیک اس دین کی طرف کر لو۔ ۱۵۶؎ اور ہرگز مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ۔

١٤٦۔ مراد اللہ تعالیٰ کا وہ فرمان ہے جو اس سورہ کی آیت ٣٣ میں بیان ہوا ہے اور جس کی تشریح نوٹ ٦٠ میں گذر چکی۔

١٤٧۔ یعنی جس آبادی میں بھی رسول بھیجا گیا وہ آبادی بحیثیت مجموعی اس وقت تک ایمان نہیں لائی جب تک عذاب نمودار نہیں ہوا۔ اور عذاب کے نمودار ہو جانے پر اس کا ایمان لانا بے سود تھا کیوں کہ اس وقت مہلتِ عمل ختم ہو گئی تھی۔ البتہ پوری تاریخ میں ایک مثال قوم یونس کی ملتی ہے جو عذاب کے نمودار ہونے سے پہلے ایمان لے آئی۔ اس لئے اللہ نے اسے رُسوا کن عذاب سے بچا لیا۔

یونس کا نام بائبل میں یوناہ آیا ہے۔ یہ اسرائیلی نبی تھے اور انہیں نینویٰ بھیجا گیا تھا جو عراق میں دجلہ کی جانب شہر موصل کے قریب واقع تھا اور جو آشوریوں کا پایۂ تخت تھا۔ یہ قوم بگاڑ میں مبتلا تھی اس لئے اسکے سامنے دعوتِ حق پیش کرنے کے لئے یونس علیہ السلام کو بھیجا گیا تھا۔ یہ واقعہ تخمیناً آٹھویں صدی قبل مسیح کا ہے۔

١٤٨۔ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ انعام نوٹ ٢٠٠ اور ٢٠١ نیز سورۂ مائدہ نوٹ ١٥٩ اور سورہ بقرہ نوٹ ٤١٧۔

١٤٩۔ یعنی ایمان کا معاملہ توفیقِ الٰہی پر منحصر ہے اور یہ توفیق ان ہی لوگوں کو ملتی ہے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔ لیکن جو لوگ عقل سے کام نہیں لیتے ان کے قلب وذہن پر اللہ گندگی ڈال دیتا ہے اس لئے فاسد خیالات ہی ان میں پیدا ہونے لگتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خدا کی طرف گھٹیا باتیں منسوب کرنے اور انسانی زندگی کے بارے میں گھناؤنے تصورات پیش کرنے میں انہیں ذرا تامل نہیں ہوتا۔ مشرکانہ مذاہب کے دیو مالائی تصورات، تہذیب جدید کے علمبرداروں کی اخلاق سوز ثقافت، مادہ پرستوں کا انسان کے معاشی حیوان ہونے کا نظریہ اور لذّت پرستوں کا نظریۂ جنسیت فاسد ذہنیت کی واضح مثالیں ہیں۔

١٥٠۔ قرآن ہر شخص کو اس بات کی دعوت دیتا ہے کہ وہ کھلی آنکھوں سے تاروں بھرے آسمان اور نعمتوں بھری زمین کا مشاہدہ کرے۔ یہ مشاہدہ معلومات میں اضافہ کرنے کے لئے نہیں بلکہ علم حق حاصل کرنے کی غرض سے ہونا چاہئے۔ یعنی بنیادی طور پر اس کا مقصد خالق کائنات کی معرفت (پہچان) حاصل کرنا ہو۔ نیز یہ معلوم کرنا ہو کہ آسمان وزمین کی تخلیق کی جو غایت قرآن بتلاتا ہے اور انسان کو جس بات کی وہ دعوت دیتا ہے اس کی تصدیق آثارِ کائنات سے ہوتی ہے یا نہیں۔ اس سائنسی دور میں ارضیات اور فلکیات کے علماء نے عجیب عجیب انکشافات کئے ہیں اور انسان کے سامنے معلومات کے ڈھیر لگا دئے ہیں۔ لیکن وہ علم حق سے بالکل بے بہرہ ہیں کیوں کہ کائنات کا مطالعہ وہ صحیح اپروچ (Approach) کے ساتھ نہیں کرتے۔

١٥١۔ یعنی گذشتہ قوموں پر جب رسولوں کے ذریعہ حق اچھی طرح واضح ہو گیا اور اس کے بعد بھی وہ قومیں ایمان نہیں لائیں، تو انہیں ہلاکت کے دن دیکھنا پڑے۔ اسی طرح اِن لوگوں پر بھی رسول کے ذریعہ حق واضح ہو چکا ہے اب اگر یہ ایمان نہیں لاتے تو اس کا نتیجہ یہی نکلنا ہے کہ وہ ہلاکت سے دوچار ہوں۔

١٥٢۔ مراد فیصلہ کن عذاب سے بچا لینا ہے۔ یعنی جب کسی رسول کے ذریعہ کسی قوم پر اللہ کی حجت پوری طرح قائم ہو جاتی ہے اور وہ کفر اور سرکشی سے باز آنے کے لئے آمادہ نہیں ہوتی، تو اس دنیا میں اللہ کا عذاب اس قوم کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ ایسے موقع پر اللہ اپنے رسول کو اور ان لوگوں کو جو اس پر ایمان لائے ہوں عذاب کی لپیٹ میں آنے سے بچا لیتا ہے گذشتہ قوموں پر جو عذاب آئے تو ان کے رسولوں کو اللہ تعالیٰ نے ان بستیوں سے، عذاب سے پہلے ہی نکل جانے کا حکم دیا تھا۔ اس طرح ہر فیصلہ کن عذاب کے موقع پر وہ رسول کو اور اس کے ساتھی اہل ایمان کو بچاتا رہا ہے۔ چونکہ یہ بچانا اللہ نے خود ہی اپنے اوپر لازم کر لیا ہے اس لئے اگر مشرکین مکہ پر عذاب آیا، تو رسول اور اہل ایمان اس سے لازماً بچا لئے جائیں گے۔ واضح رہے کہ عرب کے مشرکین رفتہ رفتہ ایمان لاتے چلے گئے اس لئے قوم عاد اور ثمود کی طرح ان پر عذاب نہیں آیا۔ بلکہ ان میں سے جو لوگ کفر پر بضد رہے ان کی ہلاکت کا سامان اہل ایمان کی تلوار کے ذریعہ بدر وحنین جیسے معرکوں میں کیا گیا۔

١٥٣۔ یہاں پیغمبر کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ دین کے بارے میں اپنے موقف کو واضح طور سے اور برملا پیش کریں۔ یہ حکم جس طرح پیغمبر کے لئے ہے اسی

طرح پیغمبر کے پیروؤں کیلئے بھی ہے۔اس لئے ایک مسلمان کو اپنے دینی مؤقف کا اظہار بے لاگ طریقہ سے کرنا چاہئے۔دیگر مذاہب کے لوگوں کو خوش کرنے کیلئے دین کے معاملہ میں لیپا پوتی کرنا، توحیدِ خالص کو پیش کرنے میں تامل کرنا کہ کہیں مشرکین ناک بھوں نہ چڑھائیں۔اور مشرکانہ طور طریقوں کے ساتھ رواداری برتنا اس ہدایت کے خلاف ہے جو آیت میں دی گئی ہے۔

۱۵۴۔ یعنی میں صرف اس خدا کی پرستش کرتا ہوں جو تمہاری جان قبض کرتا ہے۔اس میں خدا کے معبود واحد ہونے کی دلیل مضمر ہے۔جب یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ موت اللہ کے سوا کسی کے اختیار میں نہیں ہے تو پھر اللہ کے سوا کوئی اور معبود کیسے ہوسکتا ہے۔

۱۵۵۔ یہ بات پیغمبر کی زبانی کہلوانے سے مقصود یہ واضح کرنا ہے کہ پیغمبر کا مؤمن ہونا اور زمرۂ مؤمنین میں شامل ہونا حکم خداوندی کی تعمیل ہے۔اس لئے یہ خیال کرنا سراسر غلط اور خلاف واقعہ ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی طرف سے ایمان اور کفر کی بحث کھڑی کردی ہے اور انسانیت کو مؤمن اور کافر دو فرقوں میں بانٹ دیا ہے۔

۱۵۶۔ یعنی دین اسلام پر تم اپنی نظریں جمائے رکھو، ہر طرف سے یکسو ہو کر اسی کے ہو کر رہو، کسی اور دین یا لادینیت کی طرف ادنیٰ جھکاؤ نہ ہو اور تمہارے عقیدہ و عمل میں شرک کا شائبہ بھی نہ آنے پائے۔

❑❑❑❑❑❑

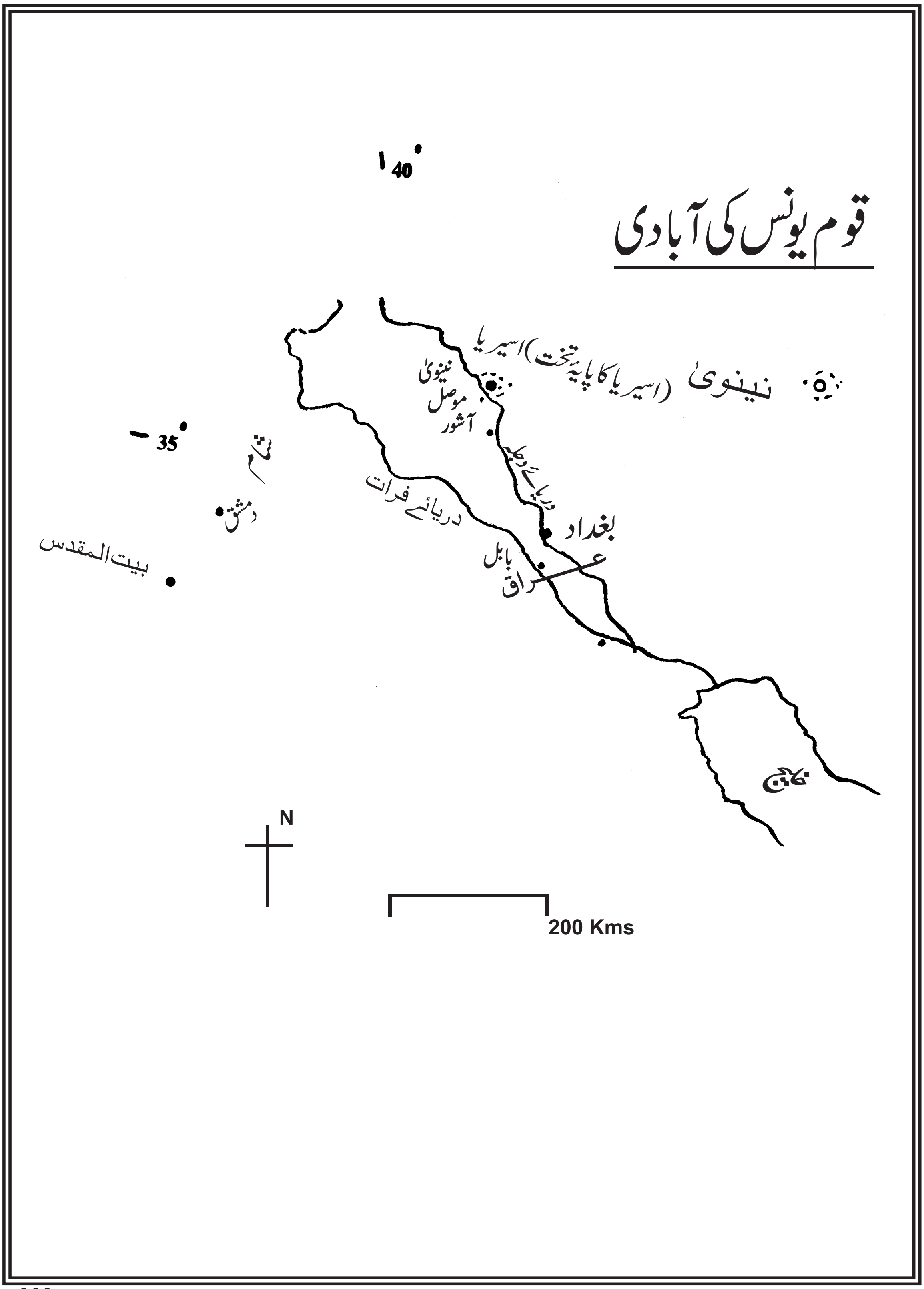
قوم یونس کی آبادی
نینوی (اسیریا کا پایہ تخت)
اسیریا
نینوی
موصل
آشور
دریائے دجلہ
دریائے فرات
بغداد
بابل
عراق
شام
دمشق
بیت المقدس
خلیج
40
35
N
200 Kms

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ
فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٠٦﴾

[١٠٦] اور اللہ کے سوا کسی اور کو نہ پکارو ١٥٧ ؎ ، جو نہ تمہیں نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ نقصان ۔ اگر تم ایسا کرو گے تو ظالموں میں سے ہو جاؤ گے ۔ ١٥٨ ؎

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ
بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ۗ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۗ وَهُوَ
الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿١٠٧﴾

[١٠٧] اگر اللہ تمہیں کسی مصیبت میں مبتلا کر دے تو اس کے سوا کوئی نہیں جو اس کو دور کرے ۔ اور اگر وہ تمہارے حق میں بھلائی چاہے تو اس کے فضل کو روکنے والا بھی کوئی نہیں ۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس سے نوازتا ہے ۔ وہ معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے ۔ ١٥٩ ؎

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ
اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ
عَلَيْهَا ۚ وَمَاۤ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ۗ ﴿١٠٨﴾

[١٠٨] کہو اے لوگو! تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس حق آ گیا تو جو ہدایت قبول کرے گا وہ اپنے ہی فائدے کے لئے کرے گا اور جو گمراہ ہوگا تو اس کی گمراہی اسی کے خلاف پڑے گی ۔ اور میں تم پر حوالہ دار مقرر نہیں ہوا ہوں ۔ ١٦٠ ؎

وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ خَيْرُ
الْحٰكِمِيْنَ ۠ ﴿١٠٩﴾

[١٠٩] اور (اے پیغمبر!) تم اس وحی کی پیروی کرو جو تمہاری طرف کی جاتی ہے اور صبر کرو یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کر دے ١٦١ ؎ ۔ اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے ۔

۱۵۷۔ پکارنے سے مراد حاجت روائی، فریاد اور مدد و نصرت کے لئے پکارنا ہے۔ کسی کے بارے میں بھی خواہ بت ہو یا قبر، فرشتہ ہو یا جن، نبی ہو یا ولی، یہ خیال کر کے اس کو حاجت پوری کرنے کے لئے پکارنا کہ اس کائنات کے نظام میں رزق رسانی وغیرہ کے تعلق سے اس کا بھی کچھ دخل ہے۔ اور وہ غیب میں رہ کر فریاد کو سنتا اور مدد کو پہنچتا ہے، پرلے درجہ کا شرک ہے، خواہ اس کا ارتکاب مشرک کریں یا مسلمان۔

۱۵۸۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کر کے اتنی سخت بات اس لئے کہی گئی تاکہ لوگوں پر واضح ہو جائے کہ شرک کے خلاف پیغمبر نے، جو سخت موقف اختیار کر رکھا ہے وہ اللہ کی ہدایت کے عین مطابق ہے۔ اور اللہ کے قانون میں شرک کا ہر مرتکب ظالم ہے، خواہ وہ کوئی بڑی سے بڑی شخصیت کیوں نہ ہو۔ یہاں پیغمبر سے خطاب کر کے جو بات کہی گئی ہے اس کا مقصد اسی اصولی بات کو واضح کرنا ہے۔

۱۵۹۔ وہ معاف کرنے والا ہے اس لئے اس سے معافی چاہو۔ اور وہ رحم فرمانے والا ہے اس لئے اسی سے رحم کی درخواست کرو۔

۱۶۰۔ یعنی مجھ پر یہ ذمہ داری نہیں ڈالی گئی ہے کہ زبردستی تم کو راہ حق پر چلاؤں۔

۱۶۱۔ اور اس کے کچھ عرصہ ہی بعد اللہ کا فیصلہ صادر ہوا۔ چنانچہ پیغمبر کے ہاتھوں شرک کی جڑ کٹ گئی اور توحید کا جھنڈا بلند ہوا۔ اور باطل مٹ گیا اور حق کا بول بالا ہوا۔ اس تاریخی فیصلہ سے بھی جو رسول کی صداقت کی واضح دلیل ہے۔ اگر دنیا کی قومیں سبق حاصل کرنا نہیں چاہتیں، تو پھر انہیں خدا کے اس فیصلہ کا انتظار کرنا چاہئے جو قیامت کے دن چکا دیا جائے گا۔

تفسیر
سورۃ ہود

۱۱۔سورہ ھود

نام آیت ۵۰ تا ۶۰ میں ہود علیہ السلام اور ان کی قوم کا واقعہ بیان ہوا ہے۔اس مناسبت سے اس کا نام سورۂ ہود ہے۔

زمانۂ نزول مکی ہے اور مضمون پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ سورۂ یونس سے پہلے نازل ہوئی ہوگی۔

مرکزی مضمون خدائے واحد کی عبادت و بندگی کی جو دعوت اللہ کا رسول پیش کر رہا ہے، اس کو رد کرنے کے ہولناک انجام سے لوگوں کو خبردار کرنا ہے۔اس سورۂ کا مضمون سورۂ یونس سے پوری طرح ہم آہنگ ہے۔البتہ اس میں انذار (تنبیہ) کا پہلو اس شدت کے ساتھ ابھر کر سامنے آگیا ہے کہ معلوم ہوتا ہے رسول کے مخالفین پر عذاب الٰہی ٹوٹ پڑنے کو ہے۔

نظم کلام آیت ۱ تا ۴ تمہیدی آیات ہیں جن میں دعوتِ قرآنی کا لب لباب پیش کیا گیا ہے۔

آیت ۵ تا ۲۴ معترضین کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے فہمائش کی گئی ہے۔

آیت ۲۵ تا ۹۹ میں انبیائی تاریخ کے کچھ اوراق پیش کئے گئے ہیں، تا کہ نبی ﷺ کے مخاطب ان کے بین السطور اپنا حال بھی پڑھتے جائیں۔

آیت ۱۰۰ تا ۱۰۸ میں اِن واقعات سے عبرت دلاتے ہوئے آخرت کے انجام سے خبردار کر دیا گیا ہے۔اور ان خوش قسمت لوگوں کو جنہوں نے ایمان لا کر عمل صالح کی روش اختیار کی ابدی جنت کی خوشخبری دی گئی ہے۔

آیت ۱۰۹ تا ۱۲۲ خاتمۂ کلام ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو تسلی دیتے ہوئے ضروری ہدایتیں دی گئی ہیں۔

سورہ کی اہم ترین خصوصیت حدیث میں آتا ہے قال ابو بکر یا رسول اللہ قد شِبْتَ قال شَیَّبَتْنِی ھُوْدٌ والْوَاقِعَۃُ وَ الْمُرْسِلٰتُ وعَمَّ یَتَسَآءَ لُوْنَ وَ اِذَا الشَّمْسُ کُوِّرَتْ (الترمذی ابواب فضائل القرآن) ’’حضرت ابو بکر نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول آپ پر بڑھاپا طاری ہوتا جا رہا ہے آپ نے فرمایا مجھے سورۂ ھود، واقعہ، مرسلات، عما یتساءلون اور اِذَا الشَّمْسُ کُوِّرَتْ نے بوڑھا کر دیا۔‘‘

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ سورۂ ہود اور اس جیسی سورتوں میں عذاب الٰہی کی تصویر کشی اس انداز میں کی گئی ہے کہ ان مضامین کو پڑھتے ہوئے آدمی کا دل دہل جاتا ہے۔اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سے اثر پذیری کا حال یہ تھا کہ آپ ﷺ کی ظاہری قویٰ بھی شدتِ خوف سے متاثر ہو گئے تھے۔

سُوْرَةُ هُوْدٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۝١

اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ۝٢

وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى
اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّ يُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ؕ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّيْٓ
اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ ۝٣

اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝٤

اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ؕ
اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ ۙ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ
بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝٥

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا
وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ؕ كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝٦

وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ
عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَلَئِنْ قُلْتَ
اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ
هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝٧

(۱۱) سورۂ ھود

آیات ۱۲۳

اللہ رحمٰن و رحیم کے نام سے

۱ الف۔لام۔را۔ ۱۔ یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کی آیتوں کو پختہ بنایا گیا ہے۔ ۲۔ پھر ان کو کھول کر بیان کر دیا گیا ہے۔ ۳۔ اس کی طرف سے جو نہایت حکمت والا اور باخبر ہے۔ ۴۔

۲ یہ کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو ۵۔ میں اس کی طرف سے تمہیں خبردار کرنے والا ۶۔ اور خوش خبری دینے والا ہوں۔ ۷۔

۳ اور یہ کہ تم اپنے رب سے معافی چاہو اور اس کی طرف رجوع کرو ۸۔ وہ تم کو ایک وقت مقرر تک اچھا سامان زندگی دے گا۔ ۹۔ اور ہر صاحب فضل کو اپنے فضل سے نوازے گا ۱۰۔ لیکن اگر تم منہ پھیرتے ہو تو مجھے تمہارے بارے میں ایک بڑے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے ۱۱۔

۴ تم سب کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

۵ دیکھو یہ اپنے سینوں کو موڑتے ہیں تاکہ اس سے چھپ جائیں ۱۲۔ یاد رکھو! جب یہ اپنے کو کپڑوں سے ڈھانک لیتے ہیں، تو وہ جانتا ہے اس کو بھی جو وہ چھپاتے ہیں اور اس کو بھی جو وہ ظاہر کرتے ہیں۔ وہ تو سینوں کے بھید تک سے واقف ہے۔

۶ زمین پر کوئی جاندار ایسا نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمہ نہ ہو۔ ۱۳۔ وہ اس کے ٹھہرنے کی جگہ بھی جانتا ہے اور اس جگہ کو بھی جہاں وہ سونپ دیا جاتا ہے ۱۴۔ سب کچھ ایک واضح کتاب میں درج ہے۔ ۱۵۔

۷ اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا---۱۶۔ اور اس کا عرش پانی پر تھا---۱۷۔ تاکہ تمہیں آزمائے کہ کون عمل میں بہتر ہے۔ ۱۸۔ اور اگر تم کہتے ہو کہ مرنے کے بعد تم لوگ اٹھائے جاؤ گے تو کافر بول اٹھتے ہیں کہ یہ تو صریح جادوگری ہے۔ ۱۹۔

۱۔ ان حروف کی تشریح سورۂ یونس نوٹ ۱ میں گذر چکی۔

۲۔ جس طرح آسمان و زمین کا نظام مضبوط بنیادوں پر قائم کیا گیا ہے اسی طرح اس کتاب میں، جو آیتیں ارشاد ہوئی ہیں وہ نہایت مضبوط دلائل، ٹھوس حقائق، اعلیٰ تعلیمات، عالمگیر صداقتوں اور عادلانہ قانون زندگی پر مبنی ہیں۔ اس لئے ان میں نقص کا کوئی پہلو نہیں ہے۔ اور جس طرح اس کے مضامین جچے تلے ہیں، اسی طرح اس کے الفاظ نہایت موزوں (Most Appropriate) اور ان کی بندش معنیٰ خیز ہے۔ گو یا ہر لفظ اپنے مقام پر جڑا ہوا ہیرا ہے جس کا بدل کوئی دوسرا لفظ ہو ہی نہیں سکتا۔ اس کا صحیح اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جو عربی زبان کا ذوق رکھتے ہوں۔ مثال کے طور پر قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ (کہو اللہ یکتا ہے) میں احد (یکتا) کا لفظ موزوں ترین لفظ ہے۔ اس کی جگہ اگر کوئی شخص واحد (ایک) کا لفظ تجویز کرنا چاہے تو اس سے معنیٰ میں فرق آئے گا اور روانی میں بھی۔ اسی طرح حمد کا لفظ تعریف اور شکر دونوں کا جامع ہے لیکن اگر کوئی شخص الحمد للہ (اللہ کے لئے حمد ہے) کی جگہ، شکر اللہ (اللہ کے لئے شکر ہے) کی ترکیب تجویز کرے تو جامعیت باقی نہیں رہے گی۔ غرضیکہ یہ کلام ایسا مربوط اور مضبوط ہے کہ کوئی معقول انسان نہ تو اسکے کسی لفظ پر انگلی رکھ سکتا ہے اور نہ اس کی پیش کردہ تعلیمات میں کسی نقص کی نشاندہی کر سکتا ہے۔

قرآن کی یہ امتیازی خصوصیت ہے۔ اور دنیا کی کوئی کتاب بھی بہ شمول مذاہب عالم کی ''مقدس'' کتابوں کے اس خصوصیت کی حامل نہیں ہے۔

۳۔ قرآن کی ابتدائی سورتوں میں اجمال کے ساتھ مختصر فقروں میں ربانی تعلیمات کو پیش کیا گیا ہے۔ لیکن بعد کی سورتوں میں ان کی تشریح و تفصیل اور ان کے تقاضے بیان کئے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر سورۂ اخلاص میں توحید کا مضمون نہایت اختصار کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ لیکن سورۂ انعام اور سورۂ یونس میں شرح اور بسط کے ساتھ۔ سورۂ فجر میں عاد اور ثمود کے واقعات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ لیکن سورۂ ہود اور سورۂ اعراف میں یہ واقعات تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔ سورۂ غاشیہ میں جنت و دوزخ کا مختصر تعارف پیش کیا گیا ہے۔ لیکن سورۂ واقعہ اور سورۂ رحمن میں تفصیل سے۔ سورۂ اعلیٰ میں نماز کا حکم مجملاً دیا گیا ہے لیکن سورۂ بنی اسرائیل، سورہ بقرۂ اور سورۂ نساء میں اس کے تفصیلی احکام بیان ہوئے ہیں۔ اس طرح قرآن اپنی تفسیر آپ کرتا ہے۔

۴۔ قرآن کی آیتوں کا محکم اور مفصل ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ کلام انسان کا کلام نہیں بلکہ خدا کا کلام ہے۔ جس کی ہر بات حکیمانہ ہوتی ہے اور جو تمام حالات سے باخبر ہے۔

۵۔ یہ ہے قرآن کا انسان سے اولین مطالبہ۔ اللہ کو واحد معبود مان کر صرف اسی کی عبادت کرنا وہ اعلیٰ مقصد ہے جس کیلئے انسان کی تخلیق ہوئی ہے۔ عبادت کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی اپنے رب کے حضور خضوع و خشوع کا اظہار کرے۔

امام رازی لکھتے ہیں:

''عبادت سے مراد خضوع و خشوع اور انتہائی تواضع و تذلل (پستی و فروتنی) کا اظہار کرنا ہے اور یہ بات سوائے اس ہستی کے جو خالق، مدبر، رحیم اور محسن ہے کسی اور کے لئے زیبا نہیں ہے۔'' (التفسیر الکبیر ج ۱۷ ص ۱۸۰)

آدمی اگر واقعی اللہ کے حضور اپنی پستی اور فروتنی کا اظہار کرے اور اپنے کو عاجزی کرنے والے بندے کی حیثیت سے پیش کرے، تو ہو نہیں سکتا کہ وہ عملی طور پر اس کا سرکش اور باغی بن جائے۔ عبادت اور سرکشی دو بالکل متضاد چیزیں ہیں۔ جو شخص واقعی اللہ کی عبادت کرنے والا ہو گا وہ لازماً اس کی اطاعت اختیار کرے گا۔ (مزید تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ فاتحہ نوٹ ۷)

۶۔ یعنی کفر و سرکشی اور فسق و معصیت کے برے انجام سے خبردار کرنے والا ہوں۔

۷۔ یعنی ایمان و یقین اور اطاعت و نیک روی کے اچھے نتائج کی خوشخبری دینے والا ہوں۔

۸۔ یعنی جو شرک تم کرتے رہے ہو اور معصیت کی جو زندگی گذارتے رہے ہو اس پر اللہ سے معافی مانگو۔ اور آئندہ کے لئے اپنا رویہ درست کرلو وہ اس طرح

کہ ہر حال میں اس کی طرف رجوع کرنے اور اس کا بندہ بن کر زندگی گذارنے کا طریقہ اختیار کرو۔

۹۔ یعنی اس صورت میں اللہ تمہیں دنیا کی بہترین نعمتوں سے نوازے گا۔ اور بعد کے واقعات نے قرآن کے اس وعدہ کی تصدیق کی۔ چنانچہ جو لوگ شرک سے تائب ہو کر ایمان لے آئے اور نیک روی اختیار کی ان کی دنیا بگڑی نہیں بلکہ سنور گئی۔ اور ان پر نعمتوں کی وہ بارش ہوئی جس کا اس سے پہلے تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

۱۰۔ یعنی ایک مؤمن عملاً اپنے کو جس درجہ کا مستحق ثابت کر دکھائے گا اس کو اللہ تعالیٰ اس درجہ کی عزت و سرفرازی عطاء فرمائے گا۔

۱۱۔ مراد قیامت کا دن ہے۔

۱۲۔ سینوں کا موڑنا عربی زبان کا محاورہ ہے جس کے معنیٰ اعراض کرنے کے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ قرآن سے اعراض کر کے سمجھ رہے ہیں کہ اللہ ان کی حرکتوں سے بے خبر ہے حالانکہ اللہ سے کوئی بات بھی پوشیدہ نہیں۔ اگر ان کو اس کا شعور ہوتا تو وہ اللہ کا کلام سننے سے اعراض نہ کرتے۔

۱۳۔ یہ وہ حقیقت ہے جو ہر شخص کے مشاہدہ اور تجربہ میں آتی ہے۔ زمین کا کوئی جاندار خواہ وہ چرند ہو یا پرند، ماہی ہو یا چیونٹی اور انسان ہو یا حیوان سب اپنے اپنے حصے کا رزق پاتے ہیں۔ یہ رزق اگر چہ اسباب کے تحت ملتا ہے۔ لیکن ان اسباب کو پیدا کرنے والا اور ان کے ذریعہ رزق رسانی کا ایسا انتظام کرنے والا کہ کوئی بھی جاندار جب تک کہ اس کے لئے جینا مقدر ہے رزق سے محروم نہ رہنے پائے، ایک اللہ کے سوا کس کا کام ہے؟ کیا رزق رسانی کا یہ ہمہ گیر انتظام اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ جس نے زندگی بخشی ہے وہی زندگی کے بقاء کا بھی سامان کر رہا ہے ؟ اور کیا اس واضح دلیل کے بعد شرک اور الحاد کی تردید کے لئے کسی اور دلیل کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟

۱۴۔ یعنی اللہ کو تمام جزئیات کا علم ہے۔ ہر جاندار کے رہنے کا ٹھکانا بھی اسے معلوم ہے۔ اور وہ ٹھکانا بھی جہاں وہ مرنے کے بعد سونپ دیا جاتا ہے۔

۱۵۔ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ یونس نوٹ ۹۴۔

۱۶۔ اس کی تشریح سورہ اعراف نوٹ ۸۲۔ میں گذر چکی۔

۱۷۔ یعنی آسمان و زمین کی تخلیق سے پہلے پانی پیدا فرمایا تھا۔ تورات میں یہ بات اس طرح بیان ہوئی ہے: ''خدا کی روح پانی کی سطح پر جنبش کرتی تھی۔'' (پیدائش ۱:۲) اصل تورات میں وہی بات بیان ہوئی ہوگی۔ جو قرآن میں ارشاد ہوئی ہے لیکن تورات کے مترجمین نے بات کو الجھا دیا۔

عرش کے معنیٰ تخت سلطنت کے ہیں جس کی نوعیت ہمیں نہیں معلوم۔ البتہ اس سے اللہ کے فرمانروائی کا تصور قائم ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے۔۔۔۔۔ اور اللہ ہی اپنے کلام کے اسرار کو بہتر جانتا ہے۔۔۔۔۔ کہ کائنات کی تخلیق سے پہلے جب پانی ہی پانی تھا، اللہ کی حکومت اس پر قائم تھی۔ اسی کے حکم سے پانی نے ارتقائی شکلیں اختیار کر لیں۔ چنانچہ خشکی کا ظہور ہوا اور پھر بتدریج مختلف انواع وجود میں آئیں۔ قرآن میں دوسرے مقام پر فرمایا گیا ہے:

وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ۔ (الانبیاء ۳۰) ''اور ہم نے پانی سے تمام جاندار چیزیں پیدا کیں۔''

۱۸۔ یہ ہے وہ مقصد جو اس کائنات کی تخلیق کے پیچھے کار فرما رہا ہے۔ یعنی انسان کو امتحان گاہ میں کھڑا کر دیا گیا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ ایسے افراد منتخب فرمائے جو عملاً اپنے کو بہتر ثابت کر دکھائیں اور پھر ان کو ابدی نعمتوں سے نوازے۔

۱۹۔ یعنی جب پیغمبر اس بات کو پُر زور دلائل کے ساتھ پیش کرتا ہے کہ تم لوگ مرنے کے بعد اٹھائے جاؤ گے، تو منکرین اس کو الفاظ کی جادوگری قرار دینے لگتے ہیں۔

کیا یہ کہتے ہیں کہ اس (پیغمبر) نے اس کو خود گھڑ لیا ہے؟ کہو اگر تم سچے ہو تو اس جیسی دس سورتیں تم بھی بنا کر لاؤ اور اللہ کے سوا جن کو تم (مدد کے لئے) بلا سکتے ہو بلا لو۔ لیکن اگر وہ تمہاری پکار کا جواب نہ دیں تو جان لو کہ یہ اللہ کے علم سے نازل ہوا ہے۔ اور یہ کہ اللہ کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔ پھر کیا تم اسلام قبول کرتے ہو؟ (القرآن)

وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ
مَا يَحْبِسُهٗ ؕ اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ
مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٨﴾

٨ اور اگر ہم ایک مقررہ مدت کے لئے عذاب کو مؤخر کر دیتے ہیں تو وہ کہنے لگتے ہیں کہ کیا چیز ہے جو اسے روک رہی ہے؟ سُنو جس دن وہ آئے گا تو پھر ٹالا نہ جا سکے گا اور جس چیز کا وہ مذاق اڑا رہے ہیں وہی ان کو آگھیرے گی۔ ۲۰؎

وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ
لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ ﴿٩﴾

٩ اور اگر ہم انسان کو اپنی رحمت سے نوازنے کے بعد اس سے محروم کر دیتے ہیں، تو وہ مایوس اور ناشکرا ہو جاتا ہے۔

وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ
السَّيِّاٰتُ عَنِّیْ ؕ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ﴿١٠﴾

١٠ اور اگر تکلیف پہنچنے کے بعد اسے ہم راحت کا مزا چکھاتے ہیں تو کہتا ہے میری ساری کلفتیں دور ہو گئیں۔ وہ اکڑنے اور ڈینگیں مارنے لگتا ہے۔ ۲۱؎

اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ
مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿١١﴾

١١ البتہ جو صبر کرنے والے اور نیک عمل کرنے والے ہیں، ان کا حال ایسا نہیں ہے۔ ان کے لئے بخشش ہے اور بہت بڑا اجر۔

فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَضَآئِقٌۢ بِهٖ
صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ
مَلَكٌ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿١٢﴾

١٢ کہیں ایسا نہ ہو کہ جو وحی تمہاری طرف کی جا رہی ہے اس کا ایک حصہ تم چھوڑ دو ۲۲؎ اور اس بات پر دل تنگ ہو کہ وہ کہیں گے اس پر کوئی خزانہ کیوں نہیں اتارا گیا یا اس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا۔ دراصل تمہارا کام محض خبردار کرنا ہے اور نگراں تو ہر چیز پر اللہ ہی ہے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّ
ادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿١٣﴾

١٣ کیا یہ کہتے ہیں کہ اس (پیغمبر) نے اس کو خود گھڑ لیا ہے؟ کہو اگر تم سچے ہو تو اس جیسی دس سورتیں تم بھی بنا کر لاؤ اور اللہ کے سوا جن کو تم (مدد کے لئے) بلا سکتے ہو بلا لو۔

فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ
اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿١٤﴾

١٤ لیکن اگر وہ تمہاری پکار کا جواب نہ دیں تو جان لو کہ یہ اللہ کے علم سے نازل ہوا ہے۔ اور یہ کہ اللہ کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔ پھر کیا تم اسلام قبول کرتے ہو؟ ۲۳؎

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ
فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ﴿١٥﴾

١٥ جو لوگ دنیا کی زندگی اور اس کی آرائش کے طالب ہوتے ہیں ہم ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ انہیں یہیں چکا دیتے ہیں اور اس میں ان کے ساتھ کوئی کمی نہیں کی جاتی ۲۴؎۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا
صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٦﴾

١٦ لیکن ایسے لوگوں کیلئے آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہیں۔ ان کا کیا کرایا سب اکارت جائے گا اور ان کے سارے اعمال باطل ٹھہریں گے۔

۲۰۔ یعنی اللہ تعالیٰ عذاب کو اس لئے مؤخر کر رہا ہے، تا کہ منکرین کو اصلاح کا مزید موقع ملے۔لیکن یہ لوگ اس مہلت سے فائدہ اٹھانے کے بجائے عذاب کا مذاق اڑانے لگتے ہیں۔ وہ اچھی طرح سن لیں کہ جس دن عذاب آنمودار ہوگا تو پھر ہرگز ٹل نہ سکے گا۔اور اس کی گرفت سے وہ ہرگز بچ نہ سکیں گے۔

۲۱۔ جب زندگی آزمائش کے لئے ٹھہری تو نہ تکلیف کی حالت میں مایوس ہونا صحیح ہے اور نہ راحت کی حالت میں پھولا نہ سمانا صحیح۔ بلکہ پہلی حالت صبر اور دوسری حالت شکر کی صفت پیدا کرنے لئے ہے۔مگر اصل غایت کو پیشِ نظر نہ رکھنے کی وجہ سے انسان کا زاویۂ نظر بھی غلط ہوجاتا ہے اور طرزِ عمل بھی۔

۲۲۔ یہ بات نبی کی بشری حیثیت کے پیش نظر کہی گئی ہے۔ ورنہ نبی کی شان سے یہ بعید ہے کہ وہ وحی الٰہی کے کسی حصہ کو ترک کر دے۔اس ارشاد سے مقصود دراصل مخالفت کی اس شدت کو واضح کرنا ہے جس کا سامنا نبی ﷺ کو کرنا پڑ رہا تھا۔مخالفتوں کے اس طوفان کا مقابلہ کرنے کیلئے غیر معمولی حوصلہ کی ضرورت تھی۔ایسے موقع پر یہ ارشاد کہ کہیں وحی الٰہی کی کسی ہدایت کو تم ترک نہ کردو ایک تاکیدی حکم ہے۔جس سے مقصود ظاہری احتمالات سے نبی کو آگاہ کرنا ہے تاکہ وہ پورے عزم اور حوصلہ کے ساتھ فریضۂ رسالت کو ادا کرنے میں لگ جائے۔

۲۳۔ جو لوگ قرآن کو کتاب الٰہی تسلیم نہیں کرتے تھے بلکہ محمد ﷺ کی تصنیف قرار دے رہے تھے، ان کو قرآن نے چیلنج کیا کہ وہ بھی اس جیسا کلام پیش کریں۔ یہ چیلنج قرآن میں متعدد مقامات پر کیا گیا ہے۔اس آیت میں دس سورتیں بنا کر لانے کا مطالبہ کیا گیا ہے اور جب اس مطالبہ کو وہ پورا نہ کر سکے تو سورۂ یونس آیت ۳۸۔ میں اور پھر سورۂ بقرہ آیت ۲۳۔ میں ایک سورہ پیش کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔ساتھ ہی چیلنج کیا گیا کہ وہ اس کام میں مدد کے لئے اپنے خود ساختہ معبودوں کو بلائیں۔ کیونکہ جب قرآن اللہ کے سوا تمام معبودوں کو باطل قرار دیتا ہے تو ان معبودوں کو۔۔۔۔۔۔ اگر وہ واقعی خدا ہیں ۔۔۔۔۔ چاہئے کہ اس معاملہ میں اپنے پرستاروں کی مدد کریں۔تاکہ قرآن کے کلام الٰہی ہونے کا دعویٰ نیز اس کی دعوت توحید غلط ثابت ہوجائے۔لیکن جب پوری قوم مل کر بھی قرآن کی کوئی نظیر نہ پیش کرسکی اور ان کے معبود بھی ان کی مدد کو نہ پہنچ سکے تو ثابت ہو گیا کہ قرآن انسان کا کلام نہیں بلکہ کلام الٰہی ہے۔ورنہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ ایک آدمی کے پیش کردہ کلام کا ایک حصہ تک پیش کرنے سے پوری قوم عاجز رہ جائے؟ کوئی شخص خواہ وہ کتنا ہی بڑا ادیب ہو کبھی دعوے کے ساتھ یہ بات نہیں کہہ سکتا کہ تمام ادیب مل کر بھی اس کے جواہر پاروں میں سے کوئی ایک پارہ بھی تخلیق نہیں کرسکتے۔ یہ بات قرآن ہی نے دعوے کے ساتھ کہی کہ اس جیسا کلام پیش کرنے پر انسان ہرگز قادر نہیں ہے اور اس دعوے کو عرب قوم غلط ثابت نہ کرسکی۔اس چیلنج نے یہ بھی ثابت کر دکھایا کہ قرآن کی دعوتِ توحید برحق ہے۔ کیونکہ اگر بہت سے خدا ہوتے جیسا کہ مشرکین کا دعویٰ ہے تو وہ اپنی خدائی کو سچا ثابت کر دکھانے کے لئے اپنے پرستاروں کی ضرور مدد کرتے۔اور جب قرآن کی یہ دونوں باتیں سچ ثابت ہوگئیں تو اسلام کا دین حق ہونا بھی ثابت ہو گیا۔اس کے بعد اسلام کو قبول کرنے میں لوگوں کے لئے کیا چیز مانع ہے؟ (مزید تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورہ بقرہ نوٹ ۳۰۔)

۲۴۔ یعنی جن لوگوں کے پیش نظر آخرت نہیں بلکہ صرف دنیا ہوتی ہے، ان کے کاموں کا پھل انہیں دنیا ہی میں دیا جاتا ہے۔اور ایسا نہیں ہوتا کہ ان کے کفر کی وجہ سے ان کی مادی ترقی رک جائے۔ وہ دنیوی اسباب کے تحت جو کام بھی کریں گے طبعی قوانین کے مطابق اس کے نتائج رونما ہونگے۔لیکن ان کی ساری مادی ترقیاں، انکا مال و دولت، ان کی دنیوی علوم و فنون میں مہارت، ان کے شاہانہ ٹھاٹ، اور ان کی شہرت کے ڈنکے بس اس دنیا میں بجتے رہیں گے۔اور آخرت میں جہاں دائمی زندگی گذارنا ہے ان کے کاموں کا نتیجہ صفر رہے گا۔اور ناکامی اور ذلت کے سوا کوئی چیز بھی ان کے حصہ میں نہیں آئے گی۔

أَفَمَنْ كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّهِ وَيَتْلُوهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِن
قَبْلِهِ كِتَابُ مُوسَىٰ إِمَامًا وَرَحْمَةً ۚ أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ ۚ وَمَن
يَكْفُرْ بِهِ مِنَ الْأَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهُ ۚ فَلَا تَكُ فِي مِرْيَةٍ
مِّنْهُ ۚ إِنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٧﴾

[۱۷] کیا وہ شخص جو اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل رکھتا تھا پھر ایک گواہ بھی اس کی طرف سے آ گیا اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب رہنما اور رحمت کی حیثیت سے موجود تھی (وہ قبول حق سے انکار کر سکتا ہے؟) ایسے لوگ تو اس پر ایمان ہی لائیں گے ۲۵؎۔ اور جو گروہ بھی اس کا انکار کرے گا ۲۶؎ تو دوزخ وہ ٹھکانا ہے جس کا اس سے وعدہ ہے۔ لہٰذا تم اس کے بارے میں کسی شک میں نہ پڑو ۲۷؎۔ یہ حق ہے تمہارے رب کی طرف سے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا ۚ أُولَٰئِكَ يُعْرَضُونَ
عَلَىٰ رَبِّهِمْ وَيَقُولُ الْأَشْهَادُ هَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَىٰ
رَبِّهِمْ ۚ أَلَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ ﴿١٨﴾

[۱۸] اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جو جھوٹ گھڑ کر اللہ کی طرف منسوب کرے ۲۸؎۔ ایسے لوگ اپنے رب کے حضور پیش کئے جائیں گے اور گواہ گواہی دیں گے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ بولا تھا۔ سنو اللہ کی لعنت ہے ظالموں پر۔

الَّذِينَ يَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا وَهُم
بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ ﴿١٩﴾

[۱۹] ان پر جو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور اس کو ٹیڑھا کرنا چاہتے ہیں ۲۹؎۔ اور یہی آخرت کے بالکل منکر ہیں۔

أُولَٰئِكَ لَمْ يَكُونُوا مُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُم
مِّن دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ۘ يُضَاعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ۚ مَا كَانُوا
يَسْتَطِيعُونَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوا يُبْصِرُونَ ﴿٢٠﴾

[۲۰] یہ لوگ زمین میں (اللہ کے) قابو سے نکل جانے والے نہ تھے اور نہ اللہ کے سوا کوئی ان کا مددگار تھا ۳۰؎۔ انہیں دہرا عذاب دیا جائے گا ۳۱؎۔ یہ نہ تو سن سکتے تھے نہ دیکھ سکتے تھے۔ ۳۲؎

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا
يَفْتَرُونَ ﴿٢١﴾

[۲۱] یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے کو تباہی میں ڈالا اور جو کچھ انہوں نے گھڑ رکھا تھا وہ سب ان سے کھویا گیا۔ ۳۳؎

لَا جَرَمَ أَنَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْأَخْسَرُونَ ﴿٢٢﴾

[۲۲] لازماً یہ لوگ آخرت میں سب سے زیادہ تباہ حال ہوں گے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَخْبَتُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ
أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٣﴾

[۲۳] بیشک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کئے اور اپنے رب کے آگے فروتنی اختیار کی ۳۴؎۔ وہ جنت والے ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ كَالْأَعْمَىٰ وَالْأَصَمِّ وَالْبَصِيرِ وَالسَّمِيعِ ۚ هَلْ
يَسْتَوِيَانِ مَثَلًا ۚ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٢٤﴾

[۲۴] ان دونوں فریقوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اندھا بہرا ۳۵؎ اور دوسرا دیکھنے اور سننے والا ۳۶؎۔ کیا دونوں کا حال یکساں ہو سکتا ہے؟ پھر کیا تم لوگ سمجھتے نہیں؟ ۳۷؎

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٢٥﴾

[۲۵] اور ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا تھا ۳۸؎۔ اس نے کہا میں تمہیں صاف صاف خبردار کرنے والا ہوں۔

۲۵۔ اس آیت میں بَیِّنَہ (روشن دلیل) سے مراد وہ دلیل ہے جو ہر شخص کے نفس میں اپنے رب کی پہچان، اس کے حضور جوابدہی کے تصور اور خیر وشر میں تمیز کے سلسلہ میں پائی جاتی ہے۔اور شاہد (گواہ) سے مراد قرآن ہے جس نے اس فطری دلیل کی نہ صرف تائید وتوثیق کی بلکہ اس کو پوری طرح کھول کر بیان کر دیا۔اس طرح جب حق کھل کر سامنے آگیا تو اس کی تائید مزید اس بات سے بھی ہوئی کہ پہلے سے جو آسمانی کتاب ''تورات'' چلی آرہی ہے، وہ بنیادی طور پر ان حقائق ہی کی طرف رہنمائی کرتی ہے، جن حقائق کا آئینہ دار قرآن ہے۔آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص بھی اپنی فطرت میں پائی جانے والی دلیل پر قائم ہو وہ قرآن کی دعوت میں کوئی اجنبیت اور نیا پن محسوس نہیں کرے گا۔ بلکہ اس کو اپنی فطرت کی ہم آہنگ پا کر قبول کرے گا۔اور اس سے انکار کی جسارت وہی کرے گا جس نے اپنی فطرت کی آواز کو دبا دیا ہو۔

اس آیت سے یہ بات خود بخود واضح ہوتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بعثت سے پہلے اپنی صالح فطرت پر قائم تھے۔کیوں کہ انبیاء علیہم السلام سے بڑھ کر اپنی فطرت پر قائم رہنے والا اور کون ہوسکتا ہے؟

۲۶۔ خواہ وہ مذہبی گروہ ہو یا غیر مذہبی۔

۲۷۔ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ یونس نوٹ ۱۴۵۔

۲۸۔ اس کی تشریح سورۂ انعام نوٹ ۱۶۹۔ میں گذر چکی۔

۲۹۔ اس کی تشریح سورۂ آل عمران نوٹ ۲۵۔ میں گذر چکی۔

۳۰۔ یعنی دنیا میں وہ اس خیال خام میں مبتلا رہے کہ ان کے ٹھہرائے ہوئے کارساز اور مددگار، انہیں اللہ کے عذاب سے بچا سکتے ہیں اس لئے انہوں نے انبیاء علیہم السلام کی تنبیہات کا کوئی اثر قبول نہیں کیا۔

۳۱۔ ایک عذاب خود گمراہ ہونے کا اور دوسرا عذاب دوسروں کو گمراہ کرنے کا۔

۳۲۔ یعنی اللہ کا رسول جو پیغام پیش کر رہا تھا اس کو سننے سے انہوں نے اپنے کان بند کر رکھے تھے۔اور توحید وآخرت کی جو نشانیاں کائنات میں پھیلی ہوئی تھیں ان کو وہ دیکھ نہیں پاتے تھے۔کیوں کہ انہوں نے اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ رکھی تھی۔

۳۳۔ یعنی جو معبود انہوں نے گھڑ رکھے تھے اور جن کی مدد اور شفاعت پر انہیں بھروسہ تھا وہ سب غائب ہوگئے۔اور آج کوئی نہیں جو اللہ کے عذاب سے ان کو بچا سکے۔

۳۴۔ اعمال صالحہ کے ساتھ فروتنی کا جو وصف بیان کیا گیا ہے، وہ ان اعمال کی اصل روح (Spirit) کو ظاہر کرتا ہے۔مطلب یہ ہے کہ نیک اعمال محض ضابطہ کی خانہ پوری کے لئے نہیں ہونے چاہئیں۔ بلکہ ان کی ادائیگی خدا کے حضور جھکاؤ اور عاجزی وفروتنی کی کیفیت کے ساتھ ہونی چاہئے۔

۳۵۔ یہ کافر کی مثال ہے جو بصیرت سے محروم ہوتا ہے۔

۳۶۔ یہ مؤمن کی مثال ہے جو بصیرت والا ہوتا ہے۔

۳۷۔ یعنی جب مؤمن اور کافر میں بصیرت کا فرق ہوتا ہے، تو دونوں کو ایک ہی سطح پر کس طرح رکھا جا سکتا ہے؟ اور پھر دونوں کا انجام یکساں کس طرح ہو سکتا ہے؟ اتنی موٹی بات بھی تمہاری سمجھ میں نہیں آتی؟

۳۸۔ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ اعراف نوٹ ۹۵۔

أَن لَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ ۖ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ أَلِيمٍ ﴿٢٦﴾

[٢٦] کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو ٣٩۔ مجھے تمہاری نسبت ایک دردناک دن کے عذاب کا اندیشہ ہے۔ ٤٠۔

فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ مَا نَرَاكَ إِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرَاكَ اتَّبَعَكَ إِلَّا الَّذِينَ هُمْ أَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّأْيِ وَمَا نَرَىٰ لَكُمْ عَلَيْنَا مِن فَضْلٍ بَلْ نَظُنُّكُمْ كَاذِبِينَ ﴿٢٧﴾

[٢٧] اس پر اس کی قوم کے بڑے لوگوں نے جو کافر تھے کہا ہم تو دیکھتے ہیں کہ تم ہمارے ہی جیسے ایک آدمی ہو۔ اور یہ بھی دیکھتے ہیں کہ تمہارے پیرو صرف وہ لوگ ہو گئے ہیں جو ہمارے اندر ادنیٰ درجہ کے تھے اور وہ بھی سطحی رائے سے ٤١۔ اور ہم اپنے مقابلہ میں تم میں کوئی برتری نہیں پاتے بلکہ ہم تو سمجھتے ہیں کہ تم جھوٹے ہو۔

قَالَ يَا قَوْمِ أَرَأَيْتُمْ إِن كُنتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّي وَآتَانِي رَحْمَةً مِّنْ عِندِهِ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ أَنُلْزِمُكُمُوهَا وَأَنتُمْ لَهَا كَارِهُونَ ﴿٢٨﴾

[٢٨] اس نے کہا اے میری قوم کے لوگو! تم نے یہ بھی سوچا کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے ایک روشن دلیل پر ہوں اور اس نے اپنی خاص رحمت سے مجھے نوازا ہو مگر وہ تمہیں دکھائی نہ دے رہی ہو تو کیا ہم زبردستی تم پر چپیک دیں جب کہ وہ تمہیں سخت ناپسند ہے؟ ٤٢۔

وَيَا قَوْمِ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ ۚ وَمَا أَنَا بِطَارِدِ الَّذِينَ آمَنُوا ۚ إِنَّهُم مُّلَاقُو رَبِّهِمْ وَلَٰكِنِّي أَرَاكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُونَ ﴿٢٩﴾

[٢٩] اور اے میری قوم کے لوگو! میں اس پر تم سے کوئی مال طلب نہیں کرتا۔ میرا اجر اللہ ہی کے ذمہ ہے ٤٣۔ اور میں ان لوگوں کو دھتکارنے والا نہیں جو ایمان لائے ہیں۔ وہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ جہالت میں مبتلا ہو۔ ٤٤۔

وَيَا قَوْمِ مَن يَنصُرُنِي مِنَ اللَّهِ إِن طَرَدتُّهُمْ ۚ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٣٠﴾

[٣٠] اور اے میری قوم کے لوگو! اگر میں ان کو دھتکار دوں تو اللہ کی گرفت سے کون مجھے بچائے گا؟ ٤٥۔ کیا یہ بات تمہاری سمجھ میں نہیں آتی؟

وَلَا أَقُولُ لَكُمْ عِندِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ إِنِّي مَلَكٌ وَلَا أَقُولُ لِلَّذِينَ تَزْدَرِي أَعْيُنُكُمْ لَن يُؤْتِيَهُمُ اللَّهُ خَيْرًا ۖ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا فِي أَنفُسِهِمْ ۖ إِنِّي إِذًا لَّمِنَ الظَّالِمِينَ ﴿٣١﴾

[٣١] میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں۔ اور نہ ہی میں غیب کا علم رکھتا ہوں۔ اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ اور نہ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ جو لوگ تمہاری نظروں میں حقیر ہیں ان کو اللہ خیر سے نہیں نوازے گا۔ ان کے دلوں کا حال اللہ ہی بہتر جانتا ہے اگر میں ایسی بات کہوں تو ظالم ہوں گا۔ ٤٦۔

قَالُوا يَا نُوحُ قَدْ جَادَلْتَنَا فَأَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٣٢﴾

[٣٢] انہوں نے کہا کہ اے نوح! تم نے ہم سے بحث کی اور بہت بحث کر لی۔ اب وہ چیز ہم پر لے آؤ جس سے ہمیں ڈراتے ہو ٤٧۔ اگر تم سچے ہو۔

۳۹؎ اس کی تشریح سورۂ اعراف نوٹ ۹۷؎ میں گذر چکی۔

۴۰؎ دردناک دن کے عذاب سے مراد قیامت کے دن کا عذاب ہے۔اور دن کو دردناک کہنا ایسا ہی ہے جیسے ہم کہتے ہیں ''مصیبت کا دن'' مطلب یہ ہے کہ قیامت کا دن کافروں کے لئے رنج والم اور مصیبت ہی مصیبت کا دن ہوگا۔

۴۱؎ نوح علیہ السلام پر جو لوگ ایمان لائے تھے وہ ان کافر سرداروں کی نظر میں اس لئے حقیر تھے کہ وہ ان کی طرح نہ مادی وسائل رکھتے تھے اور نہ سوسائٹی میں اثر ورسوخ۔حالانکہ وہ خیر پسند ہونے کے لحاظ سے سوسائٹی کے بہترین افراد تھے۔اور چونکہ انہوں نے حق کے کھل کر سامنے آجانے کے بعد اس کو قبول کرنے میں تامل نہیں کیا اس لئے یہ معترضین ان کے فیصلہ کو سطحی رائے کا نتیجہ قرار دے رہے تھے۔حالانکہ یہ اہل ایمان کی بے لاگ حق پسندی تھی مگر ان کی یہ خوبیاں ان مغروروں کی نظر میں عیب بن گئی تھیں۔شاید ایسے ہی موقع پر کسی شاعر نے کہا ہے۔ ع

عیبوں میں گنے جاتے ہیں مفلس کے ہنر بھی

۴۲؎ یہ معترضین کے پہلے اعتراض کا جواب ہے۔نوح علیہ السلام کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ میں جو دعوت توحید پیش کر رہا ہوں اس کی گہری جڑیں انسانی فطرت کے اندر موجود ہیں۔میں اسی فطری دلیل اور قلبی بصیرت پر قائم تھا۔اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ مہربانی کی کہ منصب نبوت سے سرفراز فرمایا، جس کو ہر وہ شخص دیکھ سکتا ہے جس کے پاس بصیرت کی آنکھیں ہوں۔اب اگر تم نے اپنی آنکھیں پھوڑ ڈالی ہوں تو تم اس کا مشاہدہ کس طرح کر سکتے ہو۔ایسی صورت میں کیا ہم زبردستی حق تم پر تھوپ دیں؟

۴۳؎ انبیاء علیہم السلام اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچانے اور ان کو راہ راست کی طرف بلانے کی جو خدمت انجام دیتے ہیں، اس پر وہ ان سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتے اور نہ ان کے پیش نظر کوئی ذاتی مفاد ہوتا ہے۔بلکہ یہ خدمت وہ بے لوث ہو کر انجام دیتے ہیں۔ان کا یہ خلوص انہیں کاہنوں، شاعروں اور مفاد پرستوں سے بالکل ممتاز کر دیتا ہے۔

۴۴؎ یہ ان کے دوسرے اعتراض کا جواب ہے۔نوح علیہ السلام نے دوٹوک انداز میں فرمایا کہ میں تمہاری خاطر اپنے ساتھیوں کو جو ایمان لائے ہیں چھوڑنے والا نہیں۔اگر وہ تمہاری نظر میں بے وقعت ہیں تو یہ تمہاری جہالت کا نتیجہ ہے۔ورنہ علم حق کی روشنی تو آدمی کو ان لوگوں کا قدر شناس بنا دیتی ہے جو حق کو قبول کر لیتے ہیں۔ اور اس بات کا آخری فیصلہ تو اللہ کے ہاں ہونا ہے کہ کون کس قدر کا مستحق ہے۔ان اہل ایمان کا صحیح مرتبہ اللہ کے ہاں ہی مقرر ہوگا جب کہ وہ اس سے ملیں گے۔

۴۵؎ نوح علیہ السلام کے ارشاد سے ہمیں یہ رہنمائی ملتی ہے کہ ایک داعیٔ حق، غیر مسلموں کو خوش کرنے کے لئے مسلمانوں سے بے تعلقی اختیار نہیں کر سکتا۔

۴۶؎ یہ ان کے تیسرے اعتراض کا جواب ہے۔یعنی اس اعتراض کا کہ ہم اپنے مقابلہ میں تم میں کوئی برتری نہیں پاتے۔نوح علیہ السلام نے اس کے جواب میں جو کچھ فرمایا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ میں نے بشریت سے بالاتر ہونے کا دعویٰ ہی کب کیا ہے۔میں جس بات کا دعویدار ہوں وہ صرف یہ ہے کہ اللہ نے اپنا پیغام پہنچانے کے لئے مجھے رسول مقرر کیا ہے اور یہ یقیناً ایک امتیازی چیز ہے۔رہے میرے ساتھی اہل ایمان تو ان کے دلوں کا حال اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔اگر وہ واقعی مؤمن ہیں تو اللہ انہیں ضرور خیر سے نوازے گا۔میں کیسے کہہ سکتا ہوں کہ وہ اللہ کی نظر میں سعادت کے مستحق نہیں ٹھہریں گے۔اور اگر وہ سعادت کے مستحق ٹھہرتے ہیں تو اس سے بڑھ کر فضیلت کی بات اور کیا ہو سکتی ہے تم دولتِ دنیا کو معیار فضیلت قرار دیتے ہو حالانکہ اصل معیار فضیلت دولتِ ایمان ہے۔

نوح علیہ السلام کے اس ارشاد سے کہ دلوں کا حال اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ لوگوں کے دلوں کا حال ایک نبی کو بھی معلوم نہیں ہوتا کجا کہ اولیاء اور بزرگوں کو معلوم ہو۔اور جب ایک نبی اپنی زندگی میں دلوں کا حال نہیں جانتا تو اپنی وفات کے بعد کس طرح جان سکتا ہے؟ یہ بات اولیاء پرستی اور قبر پرستی کی جڑ کاٹ دیتی ہے۔

۴۷؎ یعنی اللہ کا عذاب۔

قَالَ إِنَّمَا يَأْتِيكُم بِهِ اللَّهُ إِن شَاءَ وَمَا أَنتُم بِمُعْجِزِينَ ﴿٣٣﴾

٣٣ اس نے جواب دیا وہ تو اللہ ہی تم پر لائے گا اگر چاہے گا اور تمہارے بس میں نہیں ہے کہ اس کو روک سکو۔

وَلَا يَنفَعُكُمْ نُصْحِي إِنْ أَرَدتُّ أَنْ أَنصَحَ لَكُمْ إِن كَانَ اللَّهُ يُرِيدُ
أَن يُغْوِيَكُمْ ۚ هُوَ رَبُّكُمْ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٣٤﴾

٣٤ اور میری نصیحت تمہارے کچھ سود مند نہیں ہو سکتی اگر میں نصیحت کرنا چاہوں جب کہ اللہ تم کو گمراہ کرنا چاہتا ہو ۴۸۔ وہی تمہارا رب ہے اور اسی کی طرف تم کو پلٹنا ہے۔

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۖ قُلْ إِنِ افْتَرَيْتُهُ فَعَلَيَّ إِجْرَامِي وَأَنَا
بَرِيءٌ مِّمَّا تُجْرِمُونَ ﴿٣٥﴾

٣٥ کیا یہ کہتے ہیں کہ اس نے اس کو گھڑ لیا ہے؟ ۴۹۔ کہو اگر میں نے اس کو گھڑا ہے تو میرے جرم کی ذمہ داری مجھ پر ہے اور جو جرم تم کر رہے ہو اس سے میں بری ہوں۔ ۵۰۔

وَأُوحِيَ إِلَىٰ نُوحٍ أَنَّهُ لَن يُؤْمِنَ مِن قَوْمِكَ إِلَّا مَن قَدْ آمَنَ
فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿٣٦﴾

٣٦ اور نوح پر وحی کی گئی کہ تمہاری قوم میں سے جو لوگ ایمان لا چکے ہیں ان کے سوا اب کوئی اور ایمان لانے والا نہیں۔ تو یہ جو کچھ کر رہے ہیں اس پر غم نہ کھاؤ۔

وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي
الَّذِينَ ظَلَمُوا ۚ إِنَّهُم مُّغْرَقُونَ ﴿٣٧﴾

٣٧ اور ہماری نگرانی میں اور ہماری وحی کے مطابق کشتی بناؤ۔ ۵۱۔ اور ان ظالموں کے بارے میں اب مجھ سے کچھ نہ کہو۔ یہ غرق ہونے والے ہیں۔ ۵۲۔

وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَأٌ مِّن قَوْمِهِ سَخِرُوا مِنْهُ ۚ
قَالَ إِن تَسْخَرُوا مِنَّا فَإِنَّا نَسْخَرُ مِنكُمْ كَمَا تَسْخَرُونَ ﴿٣٨﴾

٣٨ اور وہ کشتی بنانے لگا۔ جب اس کی قوم کے رئیس اس کے پاس سے گزرتے تو اس کا مذاق اڑاتے ۵۳۔ وہ جواب دیتا اگر تم ہم پر ہنس رہے ہو تو ہم بھی اسی طرح تم پر ہنسیں گے۔ ۵۴۔

فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ مَن يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ
عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴿٣٩﴾

٣٩ عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کن لوگوں پر وہ عذاب آتا ہے جو انہیں رسوا کر کے رکھ دے گا۔ اور وہ عذاب ٹوٹ پڑتا ہے جو قائم رہنے والا ہوگا۔ ۵۵۔

حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّورُ قُلْنَا احْمِلْ فِيهَا مِن كُلٍّ
زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَن سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ
وَمَنْ آمَنَ ۚ وَمَا آمَنَ مَعَهُ إِلَّا قَلِيلٌ ﴿٤٠﴾

٤٠ یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آ گیا اور تنور ابل پڑا ۵۶۔ تو ہم نے کہا ہر قسم کے نر و مادہ کا جوڑا اس میں سوار کرا لو ۵۷۔ اور اپنے گھر والوں کو بھی بجز ان کے جن کے بارے میں ہمارا فرمان پہلے ہی صادر ہو چکا ہے ۵۸۔ نیز ان لوگوں کو بھی سوار کرا لو جو ایمان لا چکے ہیں ۵۹۔ اور اس کے ساتھ ایمان لانے والے تھوڑے ہی لوگ تھے۔

وَقَالَ ارْكَبُوا فِيهَا بِسْمِ اللَّهِ مَجْرَاهَا وَمُرْسَاهَا ۚ إِنَّ رَبِّي لَغَفُورٌ
رَّحِيمٌ ﴿٤١﴾

٤١ اور اس نے کہا اس میں سوار ہو جاؤ۔ اللہ ہی کے نام سے ہے اس کا چلنا اور اس کا ٹھہرنا ۶۰۔ میرا رب بڑا بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

۴۸۔ یعنی اللہ کے قانونِ ضلالت کے مطابق اگر تم پر ہدایت کے دروازے بند ہو گئے ہوں، تو میری خیر خواہی اور نصیحت کا تم پر کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔

۴۹۔ یہ جملہ معترضہ ہے۔ یعنی اصل سلسلۂ بیان کو روک کر بر موقع قریش کے اس الزام کا جواب دیا گیا ہے جو وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر لگاتے تھے کہ یہ قرآن آپ نے گھڑا ہے۔ اور اس میں جو قصے پیش کئے جا رہے ہیں وہ محض پرانی داستانیں ہیں۔

۵۰۔ یعنی اگر میں نے اس قرآن کو گھڑا نہیں ہے۔۔۔۔۔۔ اور واقعہ یہی ہے کہ میں نے گھڑا نہیں ہے۔۔۔۔۔۔ تو تمہارے اس جرم کا وبال تم ہی پر ہے کہ خدا کی نازل کردہ کتاب کو تم نے میری من گھڑت کتاب قرار دیکر جھٹلایا۔

۵۱۔ یعنی ہم اس بات کی نگرانی کریں گے کہ یہ کافر تمہیں کشتی بنانے سے روک نہ سکیں۔ رہی کشتی کی بناوٹ تو وہ ٹھیک ٹھیک حکم الٰہی کے مطابق ہونی چاہئے تاکہ وہ اس طوفان میں جو زبردست سیلاب کی شکل میں آنے والا ہے تمہاری حفاظت کا ذریعہ بن سکے۔

بائبل میں پیدائش باب :۶ میں اس کشتی کے سائز وغیرہ کی تفصیلات بیان ہوئی ہیں، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک غیر معمولی اور جہاز نما کشتی تھی۔

۵۲۔ یعنی ان کافروں کے بارے میں کوئی سفارش نہ کرو۔ ان پر سے اب عذاب ٹلنے والا نہیں۔ اللہ تعالیٰ یہ فیصلہ فرما چکا ہے کہ وہ اس سیلاب میں غرق ہو کر رہیں گے۔

۵۳۔ جب نوح علیہ السلام کشتی بنانے لگے تو مخالفین یہ دیکھ کر کہ ایک بہت بڑی کشتی خشکی پر بنائی جا رہی ہے مذاق اڑانے لگے۔ وہ اس بات کا تصور بھی کرنے کے لئے آمادہ نہیں تھے کہ ایک طوفانی سیلاب آ سکتا ہے جس میں کشتئ نوح ہی سفینۂ نجات بن سکتی ہے۔ انہوں نے اس کو مذہبی دیوان پن قرار دیتے ہوئے یہ پھبتی چست کی ہوگی کہ اب یہ لوگ خشکی میں کشتی چلانا چاہتے ہیں۔

۵۴۔ یعنی آج تم ہمیں دیوانہ سمجھ کر ہنس رہے ہو ہم کل (آخرت میں) تمہاری دیوانگی پر ہنسیں گے۔ کسی مجرم کی گرفتاری پر آدمی اطمینان کا سانس لیتا ہے اور اسکی مجرمانہ حرکتوں پر جس نے اسے کیفر کردار تک پہنچایا، قدرتی طور پر ہنسی آتی ہے۔ اسی طرح آخرت میں خدا کے باغیوں اور مفسدوں کی پکڑ پر اہل ایمان کا ہنسنا بالکل قدرتی بات ہے۔

۵۵۔ ایک عذاب دنیا میں اور دوسرا آخرت میں۔

۵۶۔ ہمارے نزدیک اس کا صحیح مفہوم وہی ہے جو ابن جریر طبری نے بیان فرمایا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ''تنور سے مراد وہی تنور ہے جسمیں روٹیاں پکائی جاتی ہیں کیوں کہ کلام عرب میں یہی معروف ہے اور اللہ کے کلام کی صحیح توجیہ اسی صورت میں ہو سکتی ہے جب کسی لفظ کے وہ معنیٰ لئے جائیں جو عربوں کے ہاں ''اغلب اور مشہور ہیں'' (جامع البیان ۔ ج ۱۲ ص ۲۵) گویا ایک تنور علامت کے طور پر متعین کیا گیا تھا کہ جب یہ ابل پڑے گا تو سمجھ لینا کہ طوفان کا آغاز ہو گیا اور کشتی میں سوار ہو جانا۔

۵۷۔ ہر قسم کے جانور سے مراد وہ جانور ہیں جو انسان کی کسی نہ کسی ضرورت کو پورا کرتے ہیں۔ چوہے اور سانپ جیسی چیزیں مراد نہیں ہیں۔

ہر جانور کا ایک ایک جوڑا کشتی میں رکھ لینے کا حکم اس لئے دیا گیا تھا کہ طوفان کے بعد ان جانوروں کی نسل باقی رہ سکے۔ اگر یہ اہتمام نہ کیا جاتا تو طوفان کے ختم ہو جانے پر دور دور تک کسی جانور کے موجود نہ ہونے کی وجہ سے ان لوگوں کو جو کشتی میں بچا لے گئے تھے روزمرہ کی ضرورتوں کو پورا کرنے کیلئے بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا۔ کشتی میں جانوروں کے جوڑے رکھ لینے کا ذکر تورات میں بھی موجود ہے (پیدائش باب ۶)۔

۵۸۔ یعنی تمہارے خاندان کے وہ افراد نہیں جو کافر ہیں۔

۵۹۔ معلوم ہوا کہ کشتی میں صرف نوح کے گھر والے ہی سوار نہیں ہوئے تھے، بلکہ انکے ساتھ دوسرے وہ لوگ بھی سوار ہوئے تھے جو نوح پر ایمان لائے تھے۔ البتہ ان سب کی تعداد کم تھی۔

۶۰۔ یہ اللہ کے فضل اور اس کی کارسازی پر یقین کا اظہار ہے۔ یعنی یہ کشتی اللہ ہی کے چلانے سے چلے گی۔ اور ایک ایسے طوفان میں جو انسانی بستیوں کے لئے موت کا پیغام لے کر آیا ہو۔ اور ایک ایسے سیلاب میں جو ہر طرف سے ہلاکت خیزی کا سامان کرتے ہوئے امڈا چلا آ رہا ہو۔ اس کشتی کا چلنا اللہ کا سر تا سر فضل ہوگا۔ اسی طرح جب وہ ٹھہرے گی اور ہم سلامتی کے ساتھ اتریں گے تو یہ بھی اس کی قدرت اور اس کے فضل کا نتیجہ ہوگا۔

اس آیت سے ضمناً یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ ''بسم اللہ'' وہ قدیم ترین کلمہ ہے جو نوح علیہ السلام کی زبان سے ادا ہوا تھا اور بڑا با برکت ثابت ہوا۔ قرآن نے اس کلمہ کو خیر کا سرچشمہ قرار دیا چنانچہ کلام الٰہی کا آغاز اسی با برکت کلمہ سے ہوا ہے۔

وَهِيَ تَجْرِي بِهِمْ فِي مَوْجٍ كَالْجِبَالِ وَنَادَىٰ نُوحٌ ابْنَهُ وَكَانَ فِي مَعْزِلٍ يَا بُنَيَّ ارْكَبْ مَعَنَا وَلَا تَكُنْ مَعَ الْكَافِرِينَ ﴿٤٢﴾

۴۲ اور کشتی پہاڑوں کی طرح اٹھنے والی موجوں کے درمیان ان کو لے کر چل رہی تھی ۶۱؎۔ اور نوح نے اپنے بیٹے کو جو اس سے الگ تھا پکار کر کہا اے میرے بیٹے ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور کافروں کے ساتھ نہ رہ۔ ۶۲؎

قَالَ سَآوِي إِلَىٰ جَبَلٍ يَعْصِمُنِي مِنَ الْمَاءِ ۚ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ إِلَّا مَنْ رَحِمَ ۚ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِينَ ﴿٤٣﴾

۴۳ اس نے کہا میں کسی پہاڑ پر پناہ لے لوں گا جو مجھے پانی سے بچا لے گا۔ نوح نے کہا آج اللہ کے حکم سے کوئی چیز بچانے والی نہیں سوائے اس کے کہ وہی کسی پر رحم فرمائے۔ اتنے میں ایک موج دونوں کے درمیان حائل ہوگئی اور وہ ڈوبنے والوں میں شامل ہوگیا۔ ۶۳؎

وَقِيلَ يَا أَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكِ وَيَا سَمَاءُ أَقْلِعِي وَغِيضَ الْمَاءُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ ۖ وَقِيلَ بُعْدًا لِلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٤٤﴾

۴۴ اور حکم ہوا کہ اے زمین اپنا پانی نگل لے اور اے آسمان تھم جا۔ چنانچہ پانی اتر گیا اور فیصلہ چکا دیا گیا اور کشتی جودی پر جا لگی ۶۵؎ اور کہا گیا دور ہوئی ظالم قوم! ۶۶؎

وَنَادَىٰ نُوحٌ رَبَّهُ فَقَالَ رَبِّ إِنَّ ابْنِي مِنْ أَهْلِي وَإِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَأَنْتَ أَحْكَمُ الْحَاكِمِينَ ﴿٤٥﴾

۴۵ اور نوح نے اپنے رب کو پکارا۔ کہا اے میرے رب! میرا بیٹا تو میرے گھروالوں میں سے ہے اور تیرا وعدہ سچا ہے اور تو تمام حاکموں سے بڑھ کر حاکم ہے۔

قَالَ يَا نُوحُ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ ۖ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْأَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۖ إِنِّي أَعِظُكَ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ﴿٤٦﴾

۴۶ فرمایا اے نوح وہ تمہارے گھروالوں میں سے نہیں ہے۔ وہ بدکردار ہے۔ ۶۷؎ لہٰذا جس چیز کا تمہیں علم نہیں اس کیلئے مجھ سے درخواست نہ کرو۔ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ جاہلوں میں سے نہ ہو جاؤ۔ ۶۸؎

قَالَ رَبِّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ أَنْ أَسْأَلَكَ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ ۖ وَإِلَّا تَغْفِرْ لِي وَتَرْحَمْنِي أَكُنْ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٤٧﴾

۴۷ اس نے عرض کیا اے میرے رب! میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ تجھ سے کسی ایسی چیز کی درخواست کروں جس کا مجھے علم نہیں۔ اگر تو نے مجھے نہ بخشا اور مجھ پر رحم نہ فرمایا تو میں تباہ ہو جاؤں گا ۔ ۶۹؎

قِيلَ يَا نُوحُ اهْبِطْ بِسَلَامٍ مِنَّا وَبَرَكَاتٍ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ أُمَمٍ مِمَّنْ مَعَكَ ۚ وَأُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِنَّا عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٤٨﴾

۴۸ حکم ہوا اے نوح اتر جاؤ۔ ہماری طرف سے سلامتی اور برکتوں کے ساتھ، ۷۰؎ تم پر بھی اور ان امتوں پر بھی جو تمہارے ساتھ ہیں۔ اور کچھ امتیں ایسی بھی ہوں گی جن کو ہم فائدہ پہنچائیں گے۔ پھر انہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا۔ ۷۱؎

تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ ۖ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا أَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هَٰذَا ۖ فَاصْبِرْ ۖ إِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِينَ ﴿٤٩﴾

۴۹ یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم تمہاری طرف وحی کر رہے ہیں۔ اس سے پہلے نہ تم ان کو جانتے تھے اور نہ تمہاری قوم ۷۲؎۔ تو صبر کرو، انجام کار متقیوں ہی کے لئے ہے۔ ۷۳؎

۶۱؎ پہاڑ کی طرح موجیں سمندری طوفان ہی میں اٹھ سکتی ہیں۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس علاقہ میں جہاں قوم نوح آباد تھی کتنا زبردست طوفان آیا ہو گا۔قوم نوح دریائے دجلہ کے کنارے آباد تھی (ملاحظہ ہو نقشہ برصفحہ ۴۵۵) اور یہ خطہ دریائے دجلہ اور دریائے فرات کے درمیان واقع ہے۔یہ دونوں دریا کوہِ ارارت سے نکلتے ہیں اور جنوب کی طرف ایک دوسرے سے جا ملے ہیں اور آگے جا کر سمندر میں جا گرے ہیں۔گویا اس علاقہ نے ایک جزیرہ کی صورت اختیار کر لی ہے۔اس لئے کچھ عجب نہیں کہ ایک غیر معمولی سیلاب کے امڈ آنے سے یہ پورا علاقہ سمندر بن گیا ہو۔اور طوفانی ہواؤں کے چلنے سے اس میں تلاطم کی ایسی کیفیت پیدا ہو گئی ہو کہ پہاڑوں جیسی موجیں اٹھنے لگی ہوں۔

۶۲؎ نوح کا ایک بیٹا کافروں میں شامل تھا اس لئے وہ کشتی میں سوار نہیں ہوا تھا۔نوح نے اس کو عین اس وقت بھی نصیحت کی جب کہ وہ طوفان میں گھر گیا تھا اور اس کے اور موت کے درمیان چند منٹ ہی کا فاصلہ رہ گیا تھا۔

۶۳؎ اللہ کا قانون عدل جب حرکت میں آیا تو اس نے ایک پیغمبر کے بیٹے کو بھی نہیں بخشا۔کیوں کہ بیٹا کافر تھا اور کافروں کے لئے عذاب مقدر تھا۔نوح علیہ السلام نے اپنی آنکھوں سے اپنے بیٹے کا حشر دیکھ لیا اگر وہ ایمان لاتا تو اس کا یہ حشر نہ ہوتا۔

۶۴؎ یعنی حق و باطل کا فیصلہ برسر زمین ہی چکا دیا تھا۔اہل حق بچا لئے گئے اور باطل کی غلاظت سے زمین پاک کر دی گئی۔

یہ طوفان عام حادثات کی طرح کوئی حادثہ نہیں تھا۔بلکہ ایک غیر معمولی واقعہ اور ایک ایسا ہولناک طوفان تھا جو بجز ان لوگوں کے جو خدائے واحد پر ایمان لا کر نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے تھے،ساری انسانی آبادی کو بہا لے گیا۔ایک ایسا سیلاب جس نے پہاڑوں کو جا لیا اور جسمیں پہاڑ کے برابر موجیں اٹھ رہی تھیں ایک عظیم تاریخی واقعہ ہے۔اور چونکہ نوح علیہ السلام نے اس کی پیشگی خبر دی تھی اور جس طرح خبر دی تھی ٹھیک ٹھیک اسی کے مطابق اس کا ظہور ہوا۔اور اس کی زد میں وہ تمام لوگ آئے جو کافر تھے۔اس سے ثابت ہوا کہ یہ قہر الٰہی تھا جو کافروں پر نازل ہوا تھا۔اور یہ کہ نوح سچے رسول تھے اور انہوں نے توحید کی جو دعوت پیش کی تھی وہ دعوت حق تھی۔

۶۵؎ جودی ایک پہاڑ کا نام ہے جو کردستان میں واقع ہے۔(ملاحظہ ہو نقشہ برصفحہ ۴۵۵) یہ کوہستان ارارت ہی کا ایک حصہ ہے جو ارمینیہ سے کردستان تک پھیلا ہوا ہے۔کشتیٔ نوح جہاں ٹک گئی تھی اس کا نام بائبل میں ارارت آیا ہے۔(پیدائش ۸:۴) مگر قرآن نے صراحت کی ہے کہ وہ مقام جودی تھا۔اور طوفان کے بعد سکونت کے لئے جودی کے قریب کا علاقہ ہی موزوں رہا ہوگا۔

واضح رہے کہ اس طوفان کے بارے میں قرآن نے یہ کہیں نہیں کہا کہ یہ پورے روئے زمین پر آیا تھا۔بلکہ قرآن جس بات کی صراحت کرتا ہے وہ یہ ہے کہ جو لوگ کشتی میں بچا لئے گئے تھے ان ہی سے نسل انسانی کا سلسلہ چلتا رہا۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت انسانی آبادی ایک مخصوص خطہ سے آگے نہیں بڑھ سکی تھی۔اس لئے اس خطۂ ارضی پر جو طوفان آیا اس نے پوری انسانی آبادی کو غرق کر دیا۔بجز اس مؤمن گروہ کے جس کو کشتی میں پناہ مل گئی تھی۔

۶۶؎ یعنی اللہ کی رحمت سے دور ہو گئی اور اسکی لعنت کی مستحق قرار پائی۔

۶۷؎ اس کا یہ مطلب نہیں کہ نسب کے لحاظ سے وہ تمہارا (نوح کا) بیٹا نہیں ہے۔بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ عملاً ایک بگڑا ہوا شخص ہے اس لئے وہ تمہارا بیٹا کہلائے جانے کا مستحق نہیں ہے۔یہ ایسی ہی بات ہے جیسے کوئی باپ اپنے نالائق بیٹے سے کہے تو میرا بیٹا نہیں ہے ظاہر ہے ایسے موقع پر لفظی معنیٰ مراد نہیں ہوتے۔

۶۸؎ اس آیت سے واضح ہوا کہ نوح علیہ السلام کو معلوم نہیں تھا کہ ان کا بیٹا بگڑے ہوئے کردار اور کافروں سے ملا ہوا ہے۔اس لئے اپنے بیٹے کو ڈوبتے ہوئے دیکھ کر اللہ تعالیٰ سے فریاد کی۔

معلوم ہوتا ہے بیٹا کھلا کافر نہیں تھا بلکہ اپنے کفر کو چھپائے ہوئے تھا۔یہی وجہ ہے کہ نوح علیہ السلام نے اس کو کشتی میں سوار ہونے کی دعوت دی۔اور اس

موقع پر اُس سے خطاب کرتے ہوئے یہ نہیں فرمایا کہ ''کافروں میں نہ ہوجا'' بلکہ فرمایا ''کافروں کے ساتھ نہ رہ''۔اور چونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ وہ ان کے گھر والوں کو بچالے گا اس لئے وہ اپنے بیٹے کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے فریادی ہوئے۔مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں متنبہ فرمایا کہ تمہیں حقیقتِ حال کا علم نہیں ہے۔اور ایسی صورت میں محض جذبات سے مغلوب ہوکر فریاد کرنا صحیح نہیں، جبکہ تمہارے گھر والوں کے سلسلہ میں پہلے ہی یہ استثناء کر دیا گیا تھا کہ ''بجز ان کے جن کے بارے میں ہمارا فرمان پہلے ہی صادر ہو چکا ہے۔''یعنی تمہارے گھر والوں میں سے بھی وہ افراد نہیں بچالئے جائیں گے جو ایمان نہیں رکھتے۔

یہی بھول تھی جو نوح علیہ السلام سے ہوئی۔ورنہ یہ جانتے ہوئے کہ ان کا بیٹا حقیقتاً کافر ہے وہ اللہ تعالیٰ سے کس طرح فریاد کرتے! مگر چونکہ اس موقع پر جب کہ اللہ تعالیٰ کا قانون عدل بے لاگ طریقہ پر نافذ ہوا۔نوح علیہ السلام کا لاعلمی کی بنا پر اپنے بیٹے کے حق میں فریاد کرنا ایک نبی کے شایانِ شان نہیں تھا۔اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس پر انہیں متنبہ فرمایا۔

۶۹۔ اللہ تعالیٰ کے متنبہ کرنے پر جب نوح علیہ السلام کو یہ احساس ہوا کہ ان کا سوال مناسب نہیں تھا، تو انہوں فوراً معافی اور رحم کی درخواست کی، اور جس انداز سے کی وہ ان کے خلوص اور ان کی راست بازی کا ثبوت ہے۔

۷۰۔ سلامتی یعنی امن وامان اور برکت یعنی وہ خیر جو جاری رہے۔

۷۱۔ نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں جو لوگ سوار ہوئے تھے، وہ تعداد میں اگر چہ تھوڑے تھے، مگر پوری انسانی سوسائٹی کا یہ مکھن تھا جو چھٹ کر آ گیا تھا۔اور دنیا کی نسلیں اور قومیں ان ہی سے وجود میں آنے والی تھیں۔گویا کشتی کے یہ سوار بالقوہ اپنے اندر قوموں اور ملتوں کو لئے ہوئے تھے۔اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ جو امتیں تمہارے ساتھ ہیں ان پر بھی سلامتی اور برکتیں ہوں۔لیکن کتنی ہی امتیں ایسی بھی ہوں گی جو سلامتی کی مستحق نہیں ٹھہریں گی۔انہیں دنیا کا مال ومتاع تو دیا جائے گا لیکن بالآخر انہیں پاداشِ عمل میں عذاب بھگتنا ہوگا۔

۷۲۔ نوح علیہ السلام کی جو سرگزشت قرآن میں بیان ہوئی ہے اس کا علم اس سے پہلے نبی ﷺ کو نہیں تھا۔چنانچہ نزول قرآن سے پہلے آپ نے یہ قصہ کبھی کسی کو نہیں سنایا۔اور آپ کی قوم بھی اس سے نابلد تھی۔رہے اہل کتاب تو بائبل کی کتاب پیدائش (باب ۸،۹،۱۰) میں اس قصہ کے کچھ اجزاء بیان ہوئے ہیں مگر وہ بھی مسخ شدہ حالت میں۔اور اس قصے کے اہم ترین پہلوؤں کا تو اس میں کوئی ذکر ہی نہیں ہے۔مثال کے طور پر یہ بات کہ نوح علیہ السلام کہ دعوت کیا تھی؟ مخالفین کے اعتراضات کیا تھے؟ نوح علیہ السلام نے ان کا کیا جواب دیا؟ عذاب آنے سے پہلے انہوں نے اپنی قوم کو اس سے کس طرح آگاہ کیا تھا؟ پسرِ نوح کے غرق ہونے کا قصہ، نوح علیہ السلام کی فریاد پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہہ اور نوح علیہ السلام کا توبہ کرنا، آئندہ نسلوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ جو معاملہ فرمائے گا، اس سے آگاہی، ان تمام پہلوؤں سے بائبل کا قصہ خالی ہے۔البتہ اس میں کشتی کی لمبائی چوڑائی وغیرہ تفصیل سے بیان ہوئی ہے۔نیز بائبل میں جہاں نوح کو خدا کی نظر میں مقبول اور مردِ راست باز کہا گیا ہے (پیدائش باب: ۶،۸،۹) وہاں ایسی باتیں بھی ان کی طرف منسوب کی گئی ہیں، جو ان کے کردار کو مجروح کرنے والی ہیں۔(پیدائش باب ۹: ۲۰ تا ۲۵) لیکن قرآن نے جزئیات سے قطع نظر وہ حقائق پیش کردئے جو اس واقعہ کی جان تھے۔ان حقائق کو اس وثوق کے ساتھ پیش کیا گیا ہے کہ دلوں میں یقین کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔کیا اس تاریخی واقعہ کا ان پوشیدہ حقیقتوں کے ساتھ ایک اُمّی کی زبان سے ادا ہو جانا اس کے پیغمبر ہونے اور قرآن کے کلام الٰہی ہونے کا واضح ثبوت نہیں ہے؟

۷۳۔ یعنی اس واضح دلیل کے بعد بھی اگر تمہاری قوم تم کو جھٹلاتی ہے تو صبر کرو، انجام ان ہی لوگوں کا اچھا ہوگا جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔اور قرآن کی یہ بات دنیا میں بھی حرف بہ حرف پوری ہوئی۔نبی ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو سچی عزت اور سرفرازی نصیب ہوئی۔اور جن لوگوں نے آپ کو جھٹلایا تھا وہ ذلت کی موت مرے اور ان کا نام ونشان تک باقی نہیں رہا۔رسول اور اس کے ساتھیوں کی کامیابی کا یہ منظر تو لوگوں نے دنیا میں دیکھ لیا اور ابھی آخرت باقی ہے۔

اور عاد کی طرف ہم نے ان کے بھائی ہود کو بھیجا۔ اس نے کہا اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں۔ نرا جھوٹ ہے جو تم نے گھڑ رکھا ہے۔ لوگو! اس (خدمت) پر میں تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتا۔ میرا اجر تو اس کے ذمہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ پھر کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔ اور اے میری قوم کے لوگو! اپنے رب سے معافی مانگو پھر اس کی طرف رجوع کرو۔ وہ تم پر خوب برسنے والے بادل بھیجے گا اور تمہاری قوت میں مزید قوت کا اضافہ کرے گا۔ اور (دیکھو) مجرم بن کر منہ نہ پھیرو۔ انہوں نے کہا ''تم کوئی کھلی نشانی تو لے کر ہمارے پاس آئے نہیں۔ اور تمہارے کہنے سے ہم اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں اور ہم کسی طرح تم پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ (القرآن)

وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا ۚ قَالَ يَٰقَوْمِ ٱعْبُدُوا ٱللَّهَ مَا لَكُم
مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُۥ ۖ إِنْ أَنتُمْ إِلَّا مُفْتَرُونَ ﴿٥٠﴾

۵۰ اور عاد کی طرف ہم نے ان کے بھائی ہود کو بھیجا ۷۴۔ اس نے کہا اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں۔ نرا جھوٹ ہے جو تم نے گھڑ رکھا ہے۔ ۷۵۔

يَٰقَوْمِ لَآ أَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا ۖ إِنْ أَجْرِىَ إِلَّا عَلَى ٱلَّذِى
فَطَرَنِىٓ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٥١﴾

۵۱ لوگو! اس (خدمت) پر میں تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتا۔ میرا اجر تو اس کے ذمہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ پھر کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔ ۷۶۔

وَيَٰقَوْمِ ٱسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوٓا إِلَيْهِ يُرْسِلِ ٱلسَّمَآءَ
عَلَيْكُم مِّدْرَارًا وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَىٰ قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا
مُجْرِمِينَ ﴿٥٢﴾

۵۲ اور اے میری قوم کے لوگو! اپنے رب سے معافی مانگو پھر اس کی طرف رجوع کرو۔ ۷۷۔ وہ تم پر خوب برسنے والے بادل بھیجے گا اور تمہاری قوت میں مزید قوت کا اضافہ کرے گا ۷۸۔ اور (دیکھو) مجرم بن کر منہ نہ پھیرو۔

قَالُوا يَٰهُودُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِىٓ ءَالِهَتِنَا
عَن قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ﴿٥٣﴾

۵۳ انہوں نے کہا ''تم کوئی کھلی نشانی تو لے کر ہمارے پاس آئے نہیں ۷۹۔ اور تمہارے کہنے سے ہم اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں اور ہم کسی طرح تم پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

إِن نَّقُولُ إِلَّا ٱعْتَرَىٰكَ بَعْضُ ءَالِهَتِنَا بِسُوٓءٍ ۗ قَالَ إِنِّىٓ أُشْهِدُ ٱللَّهَ
وَٱشْهَدُوٓا أَنِّى بَرِىٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ ﴿٥٤﴾

۵۴ ہم تو کہتے ہیں کہ ہمارے معبودوں میں سے کسی کی مار تم پر پڑ گئی ہے ۸۰۔ اس نے کہا میں اللہ کو گواہ ٹھہراتا ہوں اور تم گواہ رہو کہ میں ان سے بالکل بیزار ہوں جن کو تم نے شریک ٹھہرا رکھا ہے۔

مِن دُونِهِۦ ۖ فَكِيدُونِى جَمِيعًا ثُمَّ لَا تُنظِرُونِ ﴿٥٥﴾

۵۵ سوائے اس (ایک خدا) کے۔ پس تم میرے خلاف کارروائی کر کے دیکھو اور مجھے ذرا مہلت نہ دو۔

إِنِّى تَوَكَّلْتُ عَلَى ٱللَّهِ رَبِّى وَرَبِّكُم ۚ مَّا مِن دَآبَّةٍ إِلَّا هُوَ
ءَاخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَآ ۚ إِنَّ رَبِّى عَلَىٰ صِرَٰطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٥٦﴾

۵۶ میں نے اللہ پر بھروسہ کیا جو میرا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی۔ کوئی جاندار ایسا نہیں جس کی چوٹی وہ پکڑے ہوئے نہ ہو ۸۱۔ بیشک میرا رب سیدھی راہ پر ہے۔ ۸۲۔

فَإِن تَوَلَّوْا فَقَدْ أَبْلَغْتُكُم مَّآ أُرْسِلْتُ بِهِۦٓ إِلَيْكُمْ ۚ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّى
قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّونَهُۥ شَيْـًٔا ۚ إِنَّ رَبِّى عَلَىٰ كُلِّ شَىْءٍ حَفِيظٌ ﴿٥٧﴾

۵۷ اگر تم منہ پھیرتے ہو تو جو پیغام دے کر میں بھیجا گیا تھا وہ میں تمہیں پہنچا چکا۔ اور میرا رب تمہاری جگہ دوسرے گروہ کو لائے گا۔ اور تم اس کا کچھ بگاڑ نہ سکو گے یقیناً میرا رب ہر چیز پر نگراں ہے۔

وَلَمَّا جَآءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُودًا وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوا مَعَهُۥ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا
وَنَجَّيْنَٰهُم مِّنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ ﴿٥٨﴾

۵۸ پھر جب ہمارا حکم آپہنچا تو ہم نے اپنی رحمت سے ہود کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے بچا لیا۔ اور ہم نے انہیں ایک ایسے عذاب سے نجات دی جو نہایت ہی سخت تھا۔ ۸۳۔

۷۴۔ قوم عاد کی سرگذشت سورۂ اعراف آیات ۶۸ تا ۷۲ میں گذر چکی۔ اس موقع پر یہ آیتیں اور ان کے تشریحی نوٹ ۱۰۵ تا ۱۱۴ نیز سورۂ فجر کی آیات ۶ تا ۸ اور ان کے تشریحی نوٹ ۸ تا ۱۱ پیش نظر رہیں۔

۷۵۔ یعنی اللہ کے سوا جن کو تم نے معبود بنا رکھا ہے وہ تمہارے من گھڑت خدا ہیں۔

۷۶۔ عقل سے کام لینے اور خواہشات کے پیچھے چلنے میں بڑا فرق ہے۔ پہلی چیز بصیرت ہے اور دوسری چیز جہالت۔

۷۷۔ اس کی تشریح نوٹ ۸ میں گذر چکی۔

۷۸۔ یعنی توحید کو قبول کرنے اور اللہ کی طرف رجوع کرنے کی صورت میں وہ تمہیں مزید نعمتوں سے نوازے گا۔ رزق بھی وافر ملے گا اور اجتماعی قوت میں بھی اضافہ ہوگا۔ مطلب یہ ہے کہ قومی اور اجتماعی سطح پر اس کے خوشگوار نتائج نکلیں گے۔

واضح رہے کہ دعوتِ توحید کو پیش کرتے ہوئے اس کے دنیوی ثمرات کا ذکر محض ضمناً ہوا ہے نہ کہ اصل کامیابی کی حیثیت سے۔ کیوں کہ اصل کامیابی جس کو تمام انبیاء علیہم السلام زندگی کا نصب العین بنانے کی دعوت دیتے رہے ہیں وہ آخرت کی کامیابی ہی ہے۔

۷۹۔ ہود علیہ السلام کی ذات میں نبوت کی کھلی نشانیاں موجود تھیں جن کو دیکھ کر یقین کیا جا سکتا تھا کہ وہ اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں۔ لیکن ان کی قوم عقل کی اندھی تھی اس لئے ان کو یہ نشانیاں نظر نہیں آ رہی تھیں۔

۸۰۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کتنے وہم پرست تھے۔ لیکن ان کے اوہام کی قلعی اس وقت کھل گئی جب اللہ کا قہر اُن پر نازل ہوا۔ اور ان کے مزعومہ دیوی دیوتا ان کی مدد کو پہنچ نہ سکے اور نہ ہود علیہ السلام ہی کا کچھ بگاڑ سکے۔

۸۱۔ یعنی انسان سمیت تمام جاندار مخلوق اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہے اس کی گرفت سے کوئی بھی آزاد نہیں۔

۸۲۔ سیدھی راہ سے مراد عدل اور راستی کی راہ ہے۔ اور اللہ کے سیدھی راہ پر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے تمام کام صحیح اور اس کے سب فیصلے راستی اور عدل پر مبنی ہوتے ہیں۔ اس کے ہاتھ اگرچہ ہر جاندار کی چوٹی ہے مگر وہ کسی پر ظلم و زیادتی نہیں کرتا۔

۸۳۔ قوم عاد پر عذاب ہوا کے طوفان اور ایک زبردست آندھی کی شکل میں آیا تھا۔

(ملاحظہ ہو سورۂ احقاف آیت ۲۴ و ۲۵ اور سورۂ ذاریات آیت ۴۱ و ۴۲)

❑❑❑❑❑❑

وَتِلْكَ عَادٌ جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿٥٩﴾

٥٩ یہ ہیں عاد۔ انہوں نے اپنے رب کی آیتوں سے انکار کیا اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی۔ ۸۴؎ اور ہر سرکش دشمنِ حق کے کہنے پر چلے۔ ۸۵؎

وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ اَلَآ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ۗ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ﴿٦٠﴾

٦٠ ان کے پیچھے اس دنیا میں بھی لعنت لگا دی گئی اور قیامت کے دن بھی۔ سنو! عاد نے اپنے رب سے کفر کیا۔ سنو! محروم کر دیئے گئے عاد، ہود کی قوم!

وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ۭ اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ﴿٦١﴾

٦١ اور ثمود کی طرف ہم نے ان کے بھائی صالح کو بھیجا ۸۶؎۔ اس نے کہا اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں۔ اسی نے تم کو زمین سے پیدا کیا ۸۷؎ اور اس میں تم کو آباد کیا۔ لہٰذا اس سے معافی مانگو اور اس کی طرف رجوع کرو۔ یقیناً میرا رب قریب ہے اور دعاؤں کا قبول کرنے والا ہے۔ ۸۸؎

قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰىنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَاۗؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ﴿٦٢﴾

٦٢ انہوں نے کہا صالح! اس سے پہلے تو ہم تم سے بڑی امیدیں وابستہ کئے ہوئے تھے ۸۹؎۔ کیا تم ہمیں ان معبودوں کی پرستش سے منع کرتے ہو جس کی پرستش ہمارے باپ دادا کرتے آئے ہیں ۹۰؎۔ ہمیں تو اس بات میں بڑا شک ہے جس کی طرف تم دعوت دیتے ہو۔ اس نے ہمیں بڑی الجھن میں ڈال دیا ہے۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰي بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ ۣ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ﴿٦٣﴾

٦٣ (صالح) اُس نے کہا میری قوم کے لوگو! تم نے ذرا سوچا اگر میں اپنے رب کی طرف سے ایک روشن دلیل پر قائم ہوں اور اس نے مجھے اپنی رحمت سے نوازا ہو تو کون ہے جو اللہ کی پکڑ سے مجھے بچائے گا اگر میں اس کی نافرمانی کروں؟ تم اس کے سوا اور کیا کر سکتے ہو کہ میری تباہی میں اضافہ کر دو۔ ۹۱؎

وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْۗءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ ﴿٦٤﴾

٦٤ اور اے میری قوم! یہ اونٹنی تمہارے لئے ایک نشانی ہے ۹۲؎۔ اسے چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں چرتی رہے اور اس کو کسی طرح کی تکلیف نہ دو ورنہ جلد ہی تمہیں عذاب آلے گا۔

فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ﴿٦٥﴾

٦٥ مگر انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں ۹۳؎۔ تب اس نے کہا اپنے گھروں میں تین دن اور بسر کر لو۔ یہ وعدہ ہے جو جھوٹا ثابت نہ ہوگا۔

۸۴۔ تمام رسول ایک ہی پیغام پیش کرتے رہے ہیں۔لہٰذا کسی ایک رسول کی نا فرمانی درحقیقت تمام رسولوں کی نا فرمانی ہے۔اس لئے یہاں ہود علیہ السلام کی نافرمانی کوتمام رسولوں کی نافرمانی قرار دیا گیا ہے۔

۸۵۔ رسول، اللہ کی طرف سے اس بات کے مجاز (Authority) ہوتے ہیں کہ ان کی اطاعت کی جائے۔لیکن جولوگ اللہ کے وفادار بن کر رہنا نہیں چاہتے وہ اس کے رسول کی اطاعت کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ بلکہ رسول کے مقابلہ میں ایسے پیشواؤں، لیڈروں، اور اصحاب اقتدار کے احکام کی پیروی کرنے اوران کی باتوں پرعمل کرنے لگتے ہیں، جوخدا کے باغی اورحق کے دشمن ہوتے ہیں۔ان کا یہ رویہ خدا کے غضب کودعوت دیتا ہے۔

۸۶۔ قوم ثمود کی سرگذشت سورۂ اعراف آیت ۷۳ تا ۷۹ میں گذر چکی۔اس موقع پر مذکورہ آیات اوران کے نوٹ ۱۱۶۔ تا ۱۲۶۔ نیز سورۂ فجر آیت ۹ اوراس کے نوٹ ۱۲۔ تا ۱۴۔ پیش نظر رہیں۔

۸۷۔ کرۂ ارضی پر نوع انسانی کا آغاز اس طرح ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اولین انسان یعنی آدم علیہ السلام کومٹی سے پیدا کیا۔اس لئے یہ حقیقت ہے کہ انسان کو زمین سے پیدا کیا گیا ہے۔اور یہ بھی واقعہ ہے کہ انسان کی زندگی کا دارومدار جن غذاؤں پر ہے وہ زمین ہی سے حاصل ہوتی ہیں۔ یہاں تک کہ جن جانوروں کا گوشت وہ کھاتا ہے وہ بھی زمین ہی سے غذا حاصل کرتے ہیں۔

۸۸۔ تشریح کے لئے ملاحظہ ہوسورۂ بقرہ نوٹ ۲۴۷۔ اور ۲۴۸۔

۸۹۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ صالح علیہ السلام کی زندگی نبوت سے پہلے نہایت صاف ستھری رہی ہے۔اوران کی غیرمعمولی قابلیت اور پروقار شخصیت کو دیکھ کرلوگوں نے ان سے یہ توقعات وابستہ کرلی تھیں کہ وہ قوم کا نام روشن کریں گے۔لیکن جب انہوں نے شرک کے خلاف آواز اٹھائی اورتوحید کی دعوت پیش کی توان کی امیدوں پر پانی پھر گیا۔

۹۰۔ قوم ثمود کے پاس بت پرستی کے جائز اورمعقول ہونے کی کوئی دلیل نہیں تھی۔ بلکہ وہ سمجھتے تھے کہ اس طریقہ کی پیروی اس لئے کی جانی چاہئے کہ یہ اس کلچر کا جزء ہے جو باپ دادا سے چلا آرہا ہے۔

۹۱۔ یعنی اگر میں تمہاری باتوں میں آکر اللہ کی نافرمانی کروں جب کہ مجھ پر بصیرت کی راہ کھل چکی ہے۔تو اللہ کی گرفت سے بچانے سےتوتم رہے البتہ تمہاری وجہ سے میں گناہ پرگناہ کا مرتکب ہوسکتا ہوں۔اور یہ بات میری بتاہی میں اضافہ ہی کا موجب بن سکتی ہے۔

۹۲۔ تشریح کے لئے ملاحظہ ہوسورۂ اعراف نوٹ ۱۱۹۔۔

۹۳۔ تشریح کے لئے ملاحظہ ہوسورۂ شمس نوٹ ۱۵۔۔

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا
وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿٦٦﴾

٦٦ پھر جب ہمارا حکم آ گیا تو ہم نے صالح کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی رحمت سے بچا لیا اور اس دن کی رسوائی سے نجات دے دی۔ یقیناً تمہارا رب ہی طاقتور اور غالب ہے۔

وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿٦٧﴾

٦٧ اور جن لوگوں نے ظلم کیا تھا ان کو ایک زبردست چنگھاڑ نے پکڑ لیا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ ٩٤۔

كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَا۟ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا
لِّثَمُوْدَ ﴿٦٨﴾

٦٨ گویا ان میں کبھی بسے ہی نہ تھے ٩٥۔ سنو! ثمود نے اپنے رب سے کفر کیا۔ سنو! محرومی ہوئی ثمود کے لئے!

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ
فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ﴿٦٩﴾

٦٩ اور ہمارے فرستادے ابراہیم کے پاس خوشخبری لئے ہوئے پہنچے ٩٦۔ انہوں نے کہا سلام ہو تم پر۔ اس نے جواب دیا تم پر بھی سلام ہو۔ ٩٧۔ پھر بلا تاخیر ایک بُھنا ہوا بچھڑا لے آیا۔ ٩٨۔

فَلَمَّا رَاٰۤ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ
قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ﴿٧٠﴾

٧٠ مگر جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ اس کی طرف نہیں بڑھ رہے ہیں تو ان کو اجنبی سمجھا اور انکی طرف سے اندیشہ محسوس کیا ٩٩۔ انہوں نے کہا اندیشہ نہ کرو ہم قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ ١٠٠۔

وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ
اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ﴿٧١﴾

٧١ اور اس (ابراہیم) کی بیوی بھی کھڑی تھی۔ وہ ہنس پڑی جب ہم نے اس کو اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی خوشخبری دی۔ ١٠١۔

قَالَتْ يٰوَيْلَتٰۤى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا ؕ اِنَّ هٰذَا
لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ ﴿٧٢﴾

٧٢ وہ بولی ہائے! ١٠٢۔ میرے اولاد ہوگی جب کہ میں بڑھیا ہوگئی ہوں اور میرے شوہر بھی بوڑھے ہو چکے ہیں یہ تو بڑی عجیب بات ہے! ١٠٣۔

قَالُوْۤا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ
الْبَيْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ﴿٧٣﴾

٧٣ انہوں نے (فرستادوں نے) کہا تم اللہ کے حکم پر تعجب کرتی ہو! اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں تم پر اے اہل بیت! بیشک وہ حمد کا مستحق اور بڑی شان والا ہے۔ ١٠٤۔

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا
فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ ﴿٧٤﴾

٧٤ پھر جب ابراہیم کی تشویش دور ہوگئی اور اسے خوشخبری ملی تو قوم لوط کے بارے میں ہم سے حجت کرنے لگا۔ ١٠٥۔

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ﴿٧٥﴾

٧٥ درحقیقت ابراہیم بڑا ہی بردبار، دردمند اور (اللہ کی طرف) رجوع ہونے والا تھا۔ ١٠٦۔

يٰۤاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ وَاِنَّهُمْ
اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ ﴿٧٦﴾

٧٦ اے ابراہیم! یہ بات چھوڑ دو۔ تمہارے رب کا حکم ہو چکا ہے اور ان لوگوں پر ایسا عذاب آنے کو ہے جو کسی طرح ٹل نہیں سکتا۔

۹۴۔ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ اعراف نوٹ ۱۲۳۔ اور ۱۲۴۔ ۔

۹۵۔ یہ ایک بہت بڑا تاریخی واقعہ ہے جس میں حق کا بول بالا ہوا۔ چنانچہ صالح علیہ السلام اور ان کے اہل ایمان ساتھی تو بچا لئے گئے اور تمام مشرک اور کافر عذاب کی لپیٹ میں آ گئے۔ اور یہ سب کچھ اسی طرح ہوا جس طرح کہ صالح علیہ السلام نے انہیں پہلے سے خبر دار کر دیا تھا اس لئے اس کی توجیہ نہیں کی جا سکتی کہ عام طور سے پیش آنے والے حادثات میں سے کوئی حادثہ تھا اگر ایسا ہوتا تو نہ صالح علیہ السلام کو اس کی پیشگی خبر ہو سکتی تھی اور نہ اس کی زد سے اہل ایمان بچ سکتے تھے۔

۹۶۔ یہ فرشتے تھے جو انسانی صورت میں ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچے تھے۔ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب کہ وہ اپنے وطن سے ہجرت کرنے کے بعد فلسطین میں آباد ہو گئے تھے۔

۹۷۔ سلام کا مطلب ہے اللہ تمہیں سلامت رکھے۔ یہ دعائیہ کلمہ ملکوتی آداب اور انبیائی تہذیب کا جزء ہے۔ اس لئے اسلام نے اس کو شعار کی حیثیت دی ہے کہ جب مسلمان آپس میں ملیں تو سب سے پہلے ایک دوسرے کو سلام کریں۔ یہ سلام رسمی نہیں بلکہ حقیقتاً خدا سے دعا ہے اور اپنے بھائی سے خیر خواہی کا اظہار بھی۔

۹۸۔ چونکہ فرشتے انسانی صورت میں تھے اس لئے اجنبی مردوں کو دیکھ کر ابراہیم علیہ السلام سمجھ گئے کہ یہ مہمان ہیں جو سفر کر کے آئے ہیں۔ اس لئے انہوں نے فوراً ان کی ضیافت کا اہتمام کیا۔ ایک بچھڑا بھون کر لائے اور اس کا گوشت مہمانوں کے سامنے پیش کیا۔

اس واقعہ سے جہاں ابراہیم علیہ السلام کی فیاضی اور مہمان نوازی کا ثبوت ملتا ہے، وہاں یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ مہمان کی آمد پر آدمی ان کے کھانے کا فوراً انتظام کرے۔ کیوں کہ مسافرت کی حالت میں آدمی کو بسا اوقات کھانا میسر نہیں آتا۔

اس کے علاوہ یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ گائے اللہ تعالیٰ کی شریعت میں قدیم زمانہ سے حلال چلی آ رہی ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کی شریعت قدیم ترین شریعت ہے جس میں گائے حلال تھی۔ اسی لئے انہوں نے بچھڑے کو ذبح کیا اور اس کا گوشت بھون کر مہمانوں کے سامنے پیش کیا۔

۹۹۔ ابراہیم علیہ السلام نے جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانے کی طرف نہیں بڑھ رہے ہیں۔ انہوں نے بھانپ لیا کہ یہ آدمی نہیں بلکہ فرشتے ہیں۔ اور اُن کے انسانی روپ میں آنے کی وجہ ممکن ہے کوئی آزمائش ہو۔ اور آزمائش کا خیال ہی ان کے لئے اندیشہ ناک تھا کہ معلوم نہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو کس کی آزمائش کے لئے بھیجا ہے اور اس کی نوعیت کیا ہے۔

۱۰۰۔ یعنی ہم قوم لوط کی آزمائش کے لئے بھیجے گئے ہیں تا کہ انہیں رنگے ہاتھوں پکڑ لیں اور ان پر وہ عذاب لے آئیں جس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ فرما چکا ہے۔

۱۰۱۔ ابراہیم علیہ السلام کی بیوی مہمانوں کی خدمت کیلئے قریب ہی کھڑی تھی۔ اس نے جب سنا کہ یہ فرشتے ہیں اور ابراہیم کو بیٹے کی بشارت دے رہے ہیں تو اسے بے اختیار ہنسی آئی کیونکہ بڑھاپے میں بچے کی پیدائش کی خبر بظاہر تعجب میں ڈالنے والی تھی۔ واضح رہے کہ خوشخبری دینے کا یہ واقعہ یہاں اختصار کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ سورۂ ذاریات میں ہے کہ فرشتوں نے لڑکے کی ولادت کی خوشخبری ابراہیم کو سنائی تھی۔ اور اس پر ان کی بیوی نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا کہ میں بڑھیا بانجھ ہوں۔ اس لئے اس آیت میں ان کی بیوی کے ہنسنے کا جو ذکر ہے اس کا تعلق اسی خوشخبری سے ہے جو ابراہیم علیہ السلام کو دی گئی تھی۔ اور جب وہ تعجب سے ہنس پڑی تو اسے مزید یہ خوشخبری دی گئی کہ تمہارے گھر نہ صرف بیٹا پیدا ہوگا بلکہ اس کے بعد پوتا بھی پیدا ہوگا۔

ابراہیم علیہ السلام کی بیوی کا نام سارہ تھا اس وقت تک ان کے کوئی اولاد نہیں تھی۔ یہ قصہ بائبل کی کتاب پیدائش باب ۱۸ میں بھی بیان ہوا ہے مگر رنگ آمیزی کے ساتھ۔

۱۰۲۔ بات تعجب کے اظہار کے لئے انہوں نے نسوانی انداز میں کہی ایسے موقع پر لفظی معنیٰ مراد نہیں ہوتے۔

۱۰۳۔ بائبل میں ہے کہ اس وقت ابراہیم علیہ السلام کی عمر سو سال اور سارہ کی عمر نوے سال تھی (پیدائش ۱۷:۱۷)۔ بڑھاپے کی اس عمر میں بیٹے کی ولادت کی خوشخبری ملنے پر حضرت سارہ نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے یہ بات کہی تھی تا کہ فرشتے مزید وضاحت کریں اور بات منقح ہو جائے۔ انہوں نے شک کے طور پر یہ بات نہیں کہی تھی۔

۱۰۴۔ فرشتوں نے حضرت سارہ کے تعجب کو دور کرنے کے لئے ایک بات تو یہ فرمائی کہ اللہ کا کوئی حکم قابل تعجب نہیں ہے۔ دوسری بات یہ فرمائی کہ تم نبی کے گھر والے ہو جن پر اللہ کی خاص عنایات ہیں۔ اس لئے اگر اس نے تمہارے بڑھاپے کے باوجود تمہیں اولاد عطا کرنے کا فیصلہ فرمایا ہے تو اس کو اس کا فضل خاص سمجھنا چاہئے۔ اور تیسری بات یہ فرمائی کہ وہ خوبیوں والا ہے اس کا ہر کام خوبی کا ہوتا ہے اور وہ بڑی شان والا ہے اس لئے اس کے کام ایسے ہوتے ہیں کہ ہر فیصلہ سے خدائی کی شان کا اظہار ہوتا ہے۔

ضمناً یہ بات بھی واضح ہوئی کہ ''اہل بیت'' میں بیوی بھی شامل ہے۔ کیونکہ یہاں ابراہیم علیہ السلام کی بیوی کو خطاب کر کے فرشتوں نے اہل بیت کہا ہے۔ اہل بیت کے اس واضح مفہوم کے باوجود مسلمانوں کا ایک فرقہ ایسا ہے جو نبی ﷺ کے اہل بیت میں آپ کی ازواجِ مطہرات کو شامل نہیں سمجھتا۔ ظاہر ہے یہ اس کے معنیٰ سے کھلا انحراف ہے۔

۱۰۵۔ یہ حجت اللہ تعالیٰ سے اپنی بات منوانے کے مفہوم میں نہیں تھی بلکہ ایک دردمندانہ درخواست تھی۔ عذاب کی خبر سن کر ابراہیم علیہ السلام کو ایک تو یہ تشویش ہوئی کہ اس قوم کے درمیان اللہ کا پیغمبر لوط موجود ہے۔ چنانچہ سورہ عنکبوت (آیت ۳۲) میں ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول نقل ہوا ہے: اِنَّ فِیھَا لُوْطاً ''اس میں لوط موجود ہیں''۔ دوسرے وہ یہ خیال کر رہے تھے کہ اس قوم میں سے کچھ لوگ تو ضرور ایمان لائے ہوں گے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو مزید مہلت دی تو ممکن ہے اور لوگ بھی ایمان لے آئیں۔ چونکہ ابراہیم علیہ السلام کو حالات کا پوری طرح علم نہیں تھا اس لئے وہ امکانی باتوں کے پیش نظر فرشتوں سے حجت کرتے رہے جس سے ان کی انسانی ہمدردی اور نرم دلی کا اظہار ہوتا ہے۔ لیکن جیسا کہ آگے آیت ۷۶ میں بیان ہوا ہے فرشتوں نے انہیں بتایا کہ اس مسئلہ پر حجت کرنا بے سود ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ قوم لوط پر عذاب کا فیصلہ صادر فرما چکا ہے۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب کا فیصلہ اسی وقت فرماتا ہے جب کہ اس کے اندر سے مزید ایسے لوگوں کو نکلنے کا امکان باقی نہ رہا ہو جو ایمان لے آئیں۔

فرشتوں سے ابراہیم کی اس حجت کا ذکر بائبل میں تفصیل سے ہوا ہے۔ (پیدائش باب ۱۸)

۱۰۶۔ یعنی ابراہیم میں چونکہ یہ خوبیاں تھیں اس لئے اس نے قوم لوط کے سلسلہ میں دردمندی کا ثبوت دیا۔ اور عذاب کو ٹالنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے عاجزانہ التماس کی۔

اور جب ہمارے فرستادے لوط کے پاس پہنچے تو وہ ان کے آنے سے تشویش میں پڑ گیا اور دل تنگ ہوا اور کہنے لگا آج تو بڑی مصیبت کا دن ہے۔اور اس کی قوم کے لوگ دوڑتے ہوئے اس کے پاس آئے۔ وہ پہلے سے بدکاریوں میں مبتلا تھے۔اس نے کہا لوگو! یہ میری بیٹیاں ہیں۔ یہ تمہارے لئے نہایت پاکیزہ ہیں تو اللہ سے ڈرو اور میرے مہمانوں کے معاملہ میں مجھے رسوا نہ کرو۔کیا تم میں کوئی آدمی بھی سمجھدار نہیں؟ انہوں نے کہا کہ تمہیں معلوم ہی ہے کہ تمہاری بیٹیوں سے ہمیں کوئی غرض نہیں۔اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ ہم کیا چاہتے ہیں۔اس نے کہا کاش تمہارے مقابلہ کی مجھے طاقت ہوتی، یا کوئی مضبوط سہارا ہوتا جس کی میں پناہ لیتا۔تب فرشتوں نے کہا اے لوط! ہم تمہارے رب کے بھیجے ہوئے ہیں۔ یہ ہرگز تم تک پہنچ نہ سکیں گے۔تم رات کے تاریک حصہ میں اپنے گھر والوں کو لیکر نکل جاؤ اور تم میں سے کوئی پلٹ کر بھی نہ دیکھے۔مگر تمہاری بیوی کہ اس پر بھی وہی کچھ گذرنا ہے جو ان پر گذرے گا۔ان (کے عذاب) کے لئے صبح کا وقت مقرر ہے۔کیا صبح قریب نہیں! پھر جب ہمارا حکم آ پہنچا تو ہم نے اس بستی کو تل پٹ کر دیا اور اس پر پکی ہوئی مٹی کے پتھر لگاتار برسائے۔(القرآن)

وَلَمَّا جَاۗءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْۗءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ
هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ ﴿۷۷﴾

۷۷ اور جب ہمارے فرستادے لوط ۱۰۷؎ کے پاس پہنچے تو وہ ان کے آنے سے تشویش میں پڑ گیا اور دل تنگ ہوا اور کہنے لگا آج تو بڑی مصیبت کا دن ہے۔۱۰۸؎

وَجَاۗءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ۭ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ
السَّيِّاٰتِ ۭ قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَاۗءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ
وَلَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ ۭ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ﴿۷۸﴾

۷۸ اور اس کی قوم کے لوگ دوڑتے ہوئے اس کے پاس آئے۔ وہ پہلے سے بدکاریوں میں مبتلا تھے ۱۰۹؎۔اس نے کہا لوگو! یہ میری بیٹیاں ہیں ۔یہ تمہارے لئے نہایت پاکیزہ ہیں تو اللہ سے ڈرو اور میرے مہمانوں کے معاملہ میں مجھے رسوا نہ کرو ۱۱۰؎۔کیا تم میں کوئی آدمی بھی سمجھدار نہیں؟

قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ
لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ ﴿۷۹﴾

۷۹ انہوں نے کہا کہ تمہیں معلوم ہی ہے کہ تمہاری بیٹیوں سے ہمیں کوئی غرض نہیں ۱۱۱؎ ۔اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ ہم کیا چاہتے ہیں ۱۱۲؎۔

قَالَ لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِيْٓ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ ﴿۸۰﴾

۸۰ اس نے کہا کاش تمہارے مقابلہ کی مجھے طاقت ہوتی ، یا کوئی مضبوط سہارا ہوتا جس کی میں پناہ لیتا۔ ۱۱۳؎

قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ فَاَسْرِ
بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا
امْرَاَتَكَ ۭ اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ ۭ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ۭ
اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ ﴿۸۱﴾

۸۱ تب فرشتوں نے کہا اے لوط! ہم تمہارے رب کے بھیجے ہوئے ہیں ۱۱۴؎۔ یہ ہرگز تم تک پہنچ نہ سکیں گے ۱۱۵؎۔تم رات کے تاریک حصہ میں اپنے گھر والوں کو لیکر نکل جاؤ اور تم میں سے کوئی پلٹ کر بھی نہ دیکھے ۱۱۶؎۔مگر تمہاری بیوی کہ اس پر بھی وہی کچھ گذرنا ہے جو ان پر گذرے گا ۱۱۷؎۔ان (کے عذاب) کے لئے صبح کا وقت مقرر ہے۔کیا صبح قریب نہیں! ۱۱۸؎

فَلَمَّا جَاۗءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا
حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ڏ مَّنْضُوْدٍ ﴿۸۲﴾

۸۲ پھر جب ہمارا حکم آ پہنچا تو ہم نے اس بستی کو تل پٹ کر دیا اور اس پر پکی ہوئی مٹی کے پتھر لگاتار برسائے۔۱۱۹؎

مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ۭ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ﴿۸۳﴾

۸۳ جو تمہارے رب کے ہاں نشان کئے ہوئے تھے ۱۲۰؎۔اور یہ ظالموں سے کچھ دور نہیں۔۱۲۱؎

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۭ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ
مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ
وَالْمِيْزَانَ اِنِّىْٓ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّاِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ
عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ﴿۸۴﴾

۸۴ اور مدین کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیب کو بھیجا ۱۲۲؎ ۔اس نے کہا اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو۔اسکے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں اور ناپ تول میں کمی نہ کرو ۱۲۳؎۔میں دیکھ رہا ہوں کہ تم اچھے حال میں ہو مگر مجھے اندیشہ ہے کہ تم پر عذاب کا ایسا دن نہ آجائے جو سب کو گھیر لے گا۔

۱۰۷؎ لوط کی سرگزشت مختصراً سورۂ اعراف آیت ۸۰ تا ۸۴ میں گذر چکی۔اس موقع پر اس کے تشریحی نوٹ ۱۲۷؎ تا ۱۳۳؎ پیش نظر رہیں۔

۱۰۸؎ یعنی فرشتے جب ابراہیم کے پاس سے رخصت ہو کر لوط کے پاس پہنچے۔تو انہیں بڑی تشویش ہوئی اور کبیدہ خاطر ہوئے۔واقعہ یہ ہے کہ فرشتے لوط کے پاس انسانی روپ میں پہنچے تھے اور غالباً خوبصورت لڑکوں کی شکل میں۔تا کہ قوم لوط جس بدکاری میں مبتلا تھی اس کے لئے آزمائش ہو اور مجرموں کو موقع واردات پر پکڑا جائے۔اس مقصد کے پیش نظر انہوں نے لوط علیہ السلام پر بھی اپنا فرشتہ ہونا ظاہر نہیں کیا۔اس لئے انہوں نے سمجھا کہ یہ مسافر ہیں اور میرے گھر مہمان کے طور پر آئے ہیں اور مہمان کی عزت و تکریم تو ایمان کا تقاضا ہے۔لیکن قوم ایسی ناہنجار ہے کہ مسافروں کو اغواء کرلے جاتی ہے ۔وہ ان نوجوانوں پر بھی دست درازی کرے گی اور گھناؤنی خواہشات کو پورا کرنا چاہے گی۔اس خیال نے ان کے دل و دماغ کو اس قدر متاثر کر دیا کہ وہ نہایت دلگیر ہو گئے۔ورنہ مہمانوں کی آمد سے تو ایک نبی کو جو اخلاق کے نہایت بلند معیار پر ہوتا ہے خوشی ہی ہو سکتی تھی۔

۱۰۹؎ یعنی وہ ہم جنسی (Homo Sexualtiy) جیسے امراض میں پہلے سے مبتلا تھے۔اور ان نو وارد خوبصورت نوجوانوں کے لوط کے گھر پہنچنے کی اطلاع پا کر ان کو اغواء کرنے کی غرض سے ان کے گھر پہنچے۔

۱۱۰؎ موقع کلام اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ لوط علیہ السلام نے قوم کی بیٹیوں کو اپنی بیٹیاں کہا تھا۔اور یہ ایسی ہی بات تھی جیسے کوئی بزرگ آدمی دوسروں کی بیٹیوں کو از راہ شفقت اپنی بیٹیاں کہتا ہے۔ظاہر ہے ایسے موقع پر لفظی معنیٰ مراد نہیں ہوتے اس لئے یہ سمجھنا کسی طرح صحیح نہیں کہ لوط علیہ السلام نے اپنی بیٹیوں کی پیش کش کی تھی۔اول تو ان کی بیٹیاں جیسا کہ بائبل میں بیان ہوا ہے صرف دو تھیں۔جب کہ قرآن ان کیلئے تثنیہ (دو) کا صیغہ (بنتین) نہیں بلکہ جمع کا صیغہ (بنات) استعمال کرتا ہے۔دوسرے یہ کہ جب ایک ہجوم نے لوط علیہ السلام کے گھر کو گھیر لیا تھا۔تو دو یا چند بیٹیوں کا نکاح تو چند افراد ہی سے ہو سکتا تھا۔ہجوم کے تمام افراد کا نکاح تو اس صورت میں ممکن نہیں تھا۔تیسرے یہ کہ کیا یہ سب غیر شادی شدہ تھے جو ان کو نکاح کرنے کے لئے کہا گیا ہو؟ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے اپنی بیویوں کو چھوڑ رکھا تھا اور مرد پرستی میں مبتلا ہو گئے تھے چنانچہ سورۂ شعراء میں فرمایا گیا ہے:

اَتَاْتُوْنَ الذُّکْرَانَ مِنَ الْعَالَمِیْنَ وَتَذَرُوْنَ مَاخَلَقَ لَکُمْ رُبُّکُمْ مِنْ اَزْوَاجِکُمْ۔(الشعراء : ۱۶۵۔۱۶۶)

''کیا تم دنیا کی مخلوق سے نرالے ہو کر یہ حرکت کرتے ہو کہ لڑکوں پر مائل ہوتے ہو۔اور اپنی بیویوں کو جن کو تمہارے رب نے تمہارے لئے پیدا کیا ہے چھوڑ دیتے ہو۔''

اس لئے لوط علیہ السلام نے ان لوگوں کی بیویوں کو از راہ شفقت و احترام اپنی بیٹیاں کہتے ہوئے یہ فرمایا کہ جب فطری خواہشات کو پورا کرنے کے لئے پاکیزہ ذریعہ موجود ہے۔تو تم ناپاک ذریعہ کیوں اختیار کرتے ہو۔

ھولاءبناتی (یہ میری بیٹیاں ہیں) کی یہ تفسیر سعید بن جبیر سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں:

''یعنی قوم کے نبی ہونے کی حیثیت سے ان کی عورتیں لوط کی بیٹیاں تھیں۔'' (تفسیر طبری ج ۱۱ ص ۵۱)

اور مجاہد وغیرہ سے بھی قریب قریب یہی تفسیر منقول ہے۔نیز ابن جریر طبری اور امام رازی جیسے مفسرین نے بھی اس سے قوم کی عورتیں ہی مراد لی ہیں۔اور لوط علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ ''یہ تمہارے لئے خوب پاکیزہ ہیں تو اللہ سے ڈرو''۔کسی ایسے مفہوم کے لئے کوئی گنجائش نہیں چھوڑتا جو ناجائز طریقے سے شہوت کو پورا کرنے کے ہم معنیٰ ہو۔

۱۱۱؎ یعنی عورتوں سے جن کو تم اپنی بیٹیاں کہتے ہو ہمیں کوئی غرض نہیں۔ان کے اس جواب سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس قماش کے لوگ تھے اور بے حیائی میں کتنے ڈھیٹ تھے۔ان کا لوط سے یہ کہنا کہ ''تمہیں معلوم ہی ہے۔'' اس بات کا مزید ثبوت ہے کہ بیٹیوں کی جو بات لوط نے کہی تھی وہ عام عورتوں کے معنیٰ میں تھی نہ کہ ان کی خاص بیٹیوں کے بارے میں۔ورنہ ان کی قوم کے لوگ یہ نہ کہتے کہ تمہیں یہ بات معلوم ہی ہے۔یہ الفاظ بتاتے ہیں کہ بات عام عورتوں سے متعلق

تھی جس کے بارے میں لوط کو معلوم تھا کہ ان کی قوم کو ان سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔

۱۱۲۔ یعنی یہ بات کہ ہم مردوں سے جنسی تعلق قائم کرنا چاہتے ہیں۔

۱۱۳۔ لوط علیہ السلام کی یہ فریاد بتاتی ہے کہ وہ اپنے مہمانوں کی عزت بچانے کے لئے کس قدر بے چین تھے۔ اور ظالموں نے ان کو کیسی مصیبت میں ڈال دیا تھا۔

اس موقع پر جو کلمات ان کی زبان سے نکلے ان کا مطلب یہ ہے کہ کاش میرے پاس وہ طاقت ہوتی، جس کو استعمال کر کے تم کو اس تشدد سے روکتا اور تمہارے دماغ درست کر دیتا۔ اور اگر یہ طاقت میسر نہیں تو کم از کم ایسا مضبوط سہارا ہی ہوتا جہاں پناہ لے کر میں اپنے مہمانوں کی عزت بچاتا۔

حدیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ نے لوط علیہ السلام کی اس فریاد کے سلسلہ میں فرمایا:

یغفرُ اللهُ لِلُوطٍ اِنْ کَانَ لَیأوی اِلٰی رُکنٍ شَدِیدٍ۔ (بخاری کتاب احادیث الانبیاء) ''اللہ لوط کو معاف کرے۔ وہ ایک مضبوط سہارے کی پناہ میں تھے۔''

یعنی گو لوط کے لئے کوئی مادی سہارا نہیں تھا لیکن ان کے لئے سب سے بڑا سہارا خدا کا تھا۔ اور خدا نے ان کی حفاظت کا ایسا سامان کیا کہ کافر ان کا بال بیکا نہ کر سکے۔ اور نہ مہمانوں کے تعلق سے اپنے گھناؤنے منصوبہ میں کامیاب ہو سکے۔

۱۱۴۔ جب بات انتہا کو پہنچ گئی اور قوم نے اپنے مجرم ہونے کا آخری ثبوت بھی فراہم کر دیا۔ تو ان مہمانوں نے اپنا اصل تعارف لوط سے کرایا کہ ہم فرشتے ہیں اور خدا نے ہمیں ایک خاص مقصد کے لئے بھیجا ہے۔

۱۱۵۔ یعنی تم پر قابو نہ پاسکیں گے۔

۱۱۶۔ یعنی رات کی تاریکی میں اس طرح نکل جاؤ کہ قوم کو خبر بھی نہ ہو۔ اور اس ہجرت میں تمہیں سیدھے اپنی منزل کا رخ کرنا چاہئے۔ مال و اسباب کے چھوٹ جانے پر کوئی شخص واپس جا کر لانے کا ارادہ نہ کرے۔ اور نہ بستی والوں پر کیا گذرتی ہے اس کو دیکھنے کے لئے کھڑا ہو جائے، یہاں تک کہ پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھے۔

بائبل میں ہے: ''نہ تو پیچھے مڑ کر دیکھنا نہ کہیں میدان میں ٹھہرنا اس پہاڑ کو چلا جا۔ تا نہ ہو کہ تو ہلاک ہو جائے۔'' (پیدائش ۱۹: ۱۷)

۱۱۷۔ یعنی تمہاری بیوی عذاب کے زد میں آئے گی۔

لوط کی بیوی بظاہر لوط کے ساتھ تھی لیکن درحقیقت وہ کافروں کے ساتھ تھی اس لئے وہ بھی عذاب کی مستحق ہوئی۔ نوح کے بیٹے کی مثال اوپر گذر چکی۔ اب یہ دوسری مثال لوط کے بیوی کی پیش کی گئی ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا انصاف بے لاگ ہے۔ جو بھی کفر کرے گا عذاب کا مستحق ٹھہریگا خواہ وہ کسی نبی کا بیٹا ہو یا کسی نبی کی بیوی ہو۔

۱۱۸۔ اس سے لوط علیہ السلام کو تسلی دینا مقصود تھا کہ صبح کا آفتاب اس اوباش قوم کے لئے ہلاکت کا پیغام لیکر آئے گا۔ نیز یہ تاکید کرنا بھی کہ صبح سے پہلے پہلے تمہیں اپنے گھر والوں کو لے کر اس علاقہ سے نکل جانا چاہئے جو عذاب کے لئے مقدر ہو چکا ہے۔

۱۱۹۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عذاب زلزلہ کے صورت میں آیا جس نے عمارتوں کو زمین دوز اور بستی کو تلپٹ کر دیا۔ ساتھ ہی آتش فشاں کے پھٹ جانے سے پکی ہوئی مٹی کے پتھروں کی بارش ہوئی جسکے ساتھ عجب نہیں کہ لاوا بھی رہا ہو۔ چنانچہ بائبل کے بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ لاوا اچھٹ پڑا تھا:

''تب خداوند نے اپنی طرف سے سدوم اور عمورہ پر گندھک اور آگ آسمان سے برسائی۔ اور اس نے ان شہروں کو اور اس ساری ترائی کو اور ان شہروں کے سب رہنے والوں کو اور سب کچھ جو زمین سے اگا تھا غارت کیا۔ مگر اس کی بیوی نے پیچھے سے مڑ کر دیکھا اور وہ نمک کا ستون بن گئی اور ابرہام صبح

سویرے اٹھ کر اس جگہ گیا جہاں وہ خداوند کے حضور کھڑا ہوا تھا اور اس نے سدوم اور عمورہ اور ترائی کی ساری زمین کی طرف نظر کی اور کیا دیکھتا ہے کہ زمین پر سے دھواں اٹھ رہا ہے جیسا بھٹی کا دھواں''۔(پیدائش ۱۹: ۲۴ تا ۲۸)

قوم لوط کفر کے ساتھ بے حیائی کی بھی مرتکب ہوئی تھی۔اس لئے اس کے جرم کے مطابق ٹھیک ٹھیک اس کو ذلت کی سزا ملی۔یعنی پتھروں کی بارش کے ذریعہ اسے سنگسار کر دیا گیا۔

۱۲۰۔ یعنی یہ خاص قسم کے پتھر تھے اور ان کو ہلاکت کے لئے نامزد کر دیا گیا تھا۔

۱۲۱۔ یعنی یہ علاقہ جس پر عذاب آیا مشرکین مکہ سے کچھ دور نہیں ہے۔سدوم اور عمورہ کی بستیاں بحرِ میت کے کنارے تھیں اور شام کو جاتے ہوئے راستہ میں یہ تباہ شدہ علاقہ پڑتا ہے۔اس لئے اشارہ کیا گیا کہ مکہ کے ان ظالموں کیلئے جائے عبرت ان کے قریب ہی میں موجود ہے دوسرے اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اس قسم کا عذاب ان ظالموں پر بھی آسکتا ہے۔

اگرچہ رسولوں کی حجت قائم کرنے کے بعد ان کی قوموں پر کفر کی پاداش میں جو عذاب آتا ہے،اس کی نوعیت ایک فیصلہ کن عذاب کی ہوتی ہے اس کے ذریعہ باطل کو مٹا دیا جاتا ہے۔اور حق کو فتح مند کیا جاتا ہے۔لیکن جہاں تک سرکش اور فاسق قوموں کو اس دنیا میں سزا دینے کا تعلق ہے، اللہ تعالیٰ کا قانون سزا مختلف طریقوں سے ان پر نافذ ہوتا رہتا ہے۔اس کی تازہ مثال میکسیکو (Mexico) کا (۱۹۸۵ء کا) واقعہ ہے جہاں آتش فشاں کے پھٹ جانے سے تقریباً بیس ہزار لوگ موت کے گھاٹ اتر گئے۔اور جدید تمدن کی ساری جگمگاہٹ خاک میں مل گئی۔ٹی وی پر اس کی تباہی کے مناظر بھی دکھائے گئے مگر عبرت کی نگاہ سے دیکھنے والی آنکھیں کہاں!

۱۲۲۔ مدین والوں کی سرگذشت سورۂ اعراف آیت ۸۵ تا ۹۳ میں گذر چکی۔

اس موقع پر مذکورہ آیات اور ان کی تشریح ہی نوٹ ۱۳۴ تا ۱۴۹ پیش نظر رہیں۔

۱۲۳۔ ناپ تول میں کمی کرنا ایک زبردست گناہ ہے اور یہ ان لوگوں کا کام ہے جو خدا کے حضور جوابدہی کا خیال نہیں رکھتے۔ملاحظہ ہو سورۂ مطففین نوٹ ا۔

وَيٰقَوۡمِ اَوۡفُوا الۡمِكۡيَالَ وَالۡمِيۡزَانَ بِالۡقِسۡطِ وَلَا تَبۡخَسُوا النَّاسَ اَشۡيَآءَهُمۡ وَلَا تَعۡثَوۡا فِى الۡاَرۡضِ مُفۡسِدِيۡنَ ﴿۸۵﴾

۸۵ اور اے میری قوم کے لوگو! ناپ طول کو انصاف کے ساتھ پورا کیا کرو۔ اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دیا کرو۔ اور زمین میں فساد پھیلاتے نہ پھرو۔

بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيۡرٌ لَّـكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ۚ وَمَاۤ اَنَا عَلَيۡكُمۡ بِحَفِيۡظٍ ﴿۸۶﴾

۸۶ اللہ کی دی ہوئی بچت تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم ایمان لاؤ ۱۲۴؎۔ اور میں تم پر نگراں نہیں ہوں۔ ۱۲۵؎

قَالُوۡا يٰشُعَيۡبُ اَصَلٰوتُكَ تَاۡمُرُكَ اَنۡ نَّتۡرُكَ مَا يَعۡبُدُ اٰبَآؤُنَاۤ اَوۡ اَنۡ نَّـفۡعَلَ فِىۡۤ اَمۡوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ؕ اِنَّكَ لَاَنۡتَ الۡحَـلِيۡمُ الرَّشِيۡدُ ﴿۸۷﴾

۸۷ انہوں نے کہا اے شعیب کیا تمہاری نماز تمہیں یہ سکھاتی ہے کہ ہم اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے رہے ہیں یا ہمیں اس بات کا اختیار نہیں کہ اپنے مال میں جس طرح چاہیں تصرف کریں؟ ۱۲۶؎ بس تم ہی ایک عقلمند اور راست رو رہ گئے ہو! ۱۲۷؎

قَالَ يٰقَوۡمِ اَرَءَيۡتُمۡ اِنۡ كُنۡتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنۡ رَّبِّىۡ وَرَزَقَنِىۡ مِنۡهُ رِزۡقًا حَسَنًا ؕ وَمَاۤ اُرِيۡدُ اَنۡ اُخَالِفَكُمۡ اِلٰى مَاۤ اَنۡهٰٮكُمۡ عَنۡهُ ؕ اِنۡ اُرِيۡدُ اِلَّا الۡاِصۡلَاحَ مَا اسۡتَطَعۡتُ ؕ وَمَا تَوۡفِيۡقِىۡۤ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَيۡهِ تَوَكَّلۡتُ وَاِلَيۡهِ اُنِيۡبُ ﴿۸۸﴾

۸۸ اس نے کہا اے میری قوم کے لوگو! تم نے یہ بھی سوچا کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے ایک روشن دلیل پر ہوں اور اس نے اپنی طرف سے مجھے اچھا رزق بھی عطاء فرمایا ۱۲۸؎۔ (تو کیا میں راہ حق اختیار نہ کروں؟) اور میں یہ نہیں چاہتا کہ جن باتوں سے میں تمہیں روکتا ہوں اس کے خلاف چلوں ۱۲۹؎۔ میں تو اصلاح چاہتا ہوں جہاں تک میرے بس میں ہے اور میرے لئے (اس کام میں) سازگاری اللہ ہی کی مدد سے ممکن ہے ۱۳۰؎۔ اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔

وَيٰقَوۡمِ لَا يَجۡرِمَنَّكُمۡ شِقَاقِىۡۤ اَنۡ يُّصِيۡبَكُمۡ مِّثۡلُ مَاۤ اَصَابَ قَوۡمَ نُوۡحٍ اَوۡ قَوۡمَ هُوۡدٍ اَوۡ قَوۡمَ صٰلِحٍ ؕ وَمَا قَوۡمُ لُوۡطٍ مِّنۡكُمۡ بِبَعِيۡدٍ ﴿۸۹﴾

۸۹ اور اے میری قوم کے لوگو! میری مخالفت تمہارے لئے کہیں اس بات کا باعث نہ بنے کہ تم پر بھی ویسا ہی عذاب آجائے جیسا کہ قوم نوح، یا قوم ہود، یا قوم صالح پر آیا۔ اور قوم لوط تو تم سے کچھ دور بھی نہیں ہے۔ ۱۳۱؎

وَاسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّكُمۡ ثُمَّ تُوۡبُوۡۤا اِلَيۡهِ ؕ اِنَّ رَبِّىۡ رَحِيۡمٌ وَّدُوۡدٌ ﴿۹۰﴾

۹۰ اور (دیکھو) اپنے رب سے معافی مانگو اور اس کی طرف رجوع کرو ۱۳۲؎۔ یقیناً میرا رب بڑا رحیم اور (اپنے بندوں سے) محبت رکھنے والا ہے ۱۳۳؎۔

قَالُوۡا يٰشُعَيۡبُ مَا نَفۡقَهُ كَثِيۡرًا مِّمَّا تَقُوۡلُ وَاِنَّا لَنَرٰٮكَ فِيۡنَا ضَعِيۡفًا ۚ وَلَوۡلَا رَهۡطُكَ لَرَجَمۡنٰكَ وَمَاۤ اَنۡتَ عَلَيۡنَا بِعَزِيۡزٍ ﴿۹۱﴾

۹۱ انہوں نے کہا شعیب! تمہاری بہت سی باتیں تو ہماری سمجھ ہی میں نہیں آتیں ۱۳۴؎ اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ تم ہمارے درمیان ایک کمزور آدمی ہو ۱۳۵؎۔ اور اگر تمہاری برادری کے آدمی نہ ہوتے تو ہم تمہیں سنگسار کر دیتے ۱۳۶؎۔ تم ہمارے مقابلہ میں کچھ زور آور تو ہو نہیں۔

۱۲۴۔ یعنی اگر تم ایمان لاؤ اور جائز نفع پر اکتفاء کرلو۔ تو دنیا میں بھی یہ خیر و برکت کا باعث ہوگا اور آخرت کی کامیابی بھی حاصل ہوگی۔ کاروبار میں لوگوں کو دھوکا دینے سے بظاہر مال بڑھتا ہے۔ مگر ایسا مال خیر سے خالی ہوتا ہے اور آخرت میں تباہی کا باعث بنتا ہے۔

۱۲۵۔ یعنی میرا کام صرف اللہ کا پیغام پہنچا دینا ہے۔ سراغ رساں (Detective) بن کر تمہارے ہر ہر عمل کی نگرانی کرتے رہنا نہیں ہے۔ اور نہ خدا کے ہاں تمہارے عمل کے بارے میں مجھے جوابدہی کرنا ہے۔

۱۲۶۔ ان کا یہ سوال ان کی اس ذہنیت کی غمازی کرتی ہے کہ جو شخص نماز پڑھنا چاہتا ہے وہ نماز پڑھے۔ لیکن اس کو کیا حق ہے کہ کسی ایسے مذہب کو جس میں کلچر کے طور پر بت پرستی چلی آ رہی ہو غلط اور باطل قرار دینے لگے؟ اسی طرح کاروبار اور تجارت میں جائز اور ناجائز اور انصاف اور حق تلفی کی بحث چھیڑ کر ہماری معاشی آزادی کو محدود کرنے کا اسے کیا اختیار؟

موجودہ دور کے سیکولرسٹ (Secularist) اسی ذہنیت کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ ان کے نزدیک مذہب کا دائرہ ذاتی عقیدہ اور پرستش تک محدود ہے۔ اجتماعی زندگی، معیشت، معاشرت اور سیاست وغیرہ میں اسے دخل دینے کا کوئی حق نہیں ہیں۔ اسی بناء پر وہ مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ نماز روزہ کی حد تک اسلام پر عمل کرو لیکن اجتماعی معاملات میں اسلام کو داخل نہ کرو یہ ذہنیت اب اس درجہ جارحانہ بن گئی ہے کہ نکاح، طلاق اور وراثت جیسے گھریلو مسائل میں بھی انہیں مسلمانوں کے الٰہی قوانین (Devine Law) کی اتباع کرنے پر اعتراض ہوتا ہے۔

۱۲۷۔ یہ طنز تھا جو انہوں نے پیغمبر شعیب پر کیا۔

۱۲۸۔ رزق حسن (اچھا رزق) سے مراد روحانی رزق (وحی الٰہی) بھی ہے۔ اور مادی رزق بھی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ نے مجھے نبوت بھی عطاء فرمائی ہے اور رزقِ حلال بھی۔ اس کے بعد بھی کیا میں اس کی ناشکری کروں اور جو راہ اس نے مجھ پر کھولی ہے اسے میں اختیار نہ کروں؟

۱۲۹۔ یعنی میں شرک سے بھی اپنا دامن بچائے ہوئے ہوں اور حرام کی کمائی سے بھی۔ اور یہ باتیں میری صداقت پر دلیل ہیں۔

۱۳۰۔ شعیب علیہ السلام کے اس ارشاد میں ان لوگوں کے لئے جو عوام کی اصلاح کے لئے اٹھے۔ یہ رہنمائی ہے کہ ان کا کام جہاں تک ان کے بس میں ہے اصلاح کی کوشش کرنا ہے لیکن بھروسہ اپنی کوششوں پر نہیں بلکہ اللہ کی توفیق پر ہونا چاہیئے۔

۱۳۱۔ قوم لوط کی تباہی کا واقعہ مدین والوں کے لئے کچھ پرانا نہ تھا۔ بلکہ قریبی دور ہی میں پیش آیا تھا نیز قومِ لوط کا علاقہ بھی مدین سے قریب ہی تھا۔

۱۳۲۔ اس کی تشریح نوٹ ۸۔ میں گذر چکی۔

۱۳۳۔ یعنی اس کو اپنے بندے سے نفرت نہیں بلکہ محبت ہے۔ اس لئے وہ خواہ مخواہ اپنے بندوں کو آگ میں جھونکنا نہیں چاہتا۔ بلکہ خیر اور نعمتوں کی راہ ان پر کھولنا چاہتا ہے۔ البتہ بندے اس سے نفرت کرنے لگیں اور سرکشی کا رویہ اختیار کرلیں تو پھر وہ اس کے غضب ہی کے مستحق ہو سکتے ہیں۔

۱۳۴۔ شعیب کی باتیں نہ فلسفیانہ تھیں اور نہ الجھی ہوئی۔ بلکہ سیدھی سادی اور قلب و ذہن میں اتر جانے والی تھیں۔ لیکن چونکہ وہ صاف ذہن اور کھلے دل سے سوچنے کیلئے آمادہ نہیں تھے، اس لئے یہ باتیں ان کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ انسان جب اپنے ذہن کو مخصوص سانچے میں ڈھال لیتا ہے، تو اس سے مختلف کوئی بات بھی اس کے لئے قابل فہم نہیں ہوتی، خواہ وہ کتنی ہی روشن حقیقت کیوں نہ ہو۔

۱۳۵۔ یعنی جتھے اور طاقت کے لحاظ سے۔

۱۳۶۔ قبائلی سسٹم میں برادری اور خاندانوں کا بڑا لحاظ کرنا پڑتا تھا۔ ورنہ کسی کے قتل پر انتقام کا سلسلہ چلتا۔ شعیب کو سنگسار کرنے میں یہی رکاوٹ تھی۔

قوم نے سنگسار کرنے کی جو دھمکی دی اس سے ان کی ظالمانہ ذہنیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ نیز اس بات کا کہ اس سماج میں لوگوں کو توحید کی دعوت دینا اور برائیوں کو مٹانے کی کوشش کرنا بھی جرم تصور کیا جاتا تھا۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَاۗءَكُمْ ظِهْرِيًّا ۭ اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۹۲﴾

۹۲ اس نے کہا میری قوم کے لوگو! کیا میری برادری تم پر اللہ سے زیادہ بھاری ہے کہ اللہ کو تم نے پسِ پشت ڈال دیا ۱۳۷؎۔ تم جو کچھ کررہے ہو میرا رب اس کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰي مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ۭ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ۭ وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ﴿۹۳﴾

۹۳ اور اے میری قوم کے لوگو! تم اپنی جگہ کام کئے جاؤ میں بھی اپنی جگہ کام کرتا ہوں۔ عنقریب تمہیں معلوم ہوجائے گا کہ کس پر وہ عذاب آتا ہے جو اسے ذلیل کر کے رکھ دے گا اور کون ہے جو جھوٹا ہے۔ انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔

وَلَمَّا جَاۗءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۹۴﴾

۹۴ پھر جب ہمارا حکم آگیا تو ہم نے شعیب اور اس کے ساتھی اہل ایمان کو اپنی رحمت سے بچالیا۔ اور جن لوگوں نے ظلم کیا تھا ان کو ایک ہیبت ناک آواز نے ایسا پکڑ لیا کہ وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ ۱۳۸؎

كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۭ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ﴿۹۵﴾

۹۵ گویا وہ وہاں کبھی بسے ہی نہ تھی۔ سنو! مدین والوں کیلئے بھی محرومی ہوئی ۱۳۹؎۔ جس طرح ثمود کے لئے محرومی ہوئی تھی! ۱۴۰؎

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۹۶﴾

۹۶ اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں اور صریح حجت قاھرہ ۱۴۱؎ کے ساتھ بھیجا تھا۔

اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ىِٕهٖ فَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ﴿۹۷﴾

۹۷ فرعون اور اس کے امراء کی طرف، مگر وہ فرعون کے حکم پر چلے۔ حالانکہ فرعون کا حکم درست نہ تھا۔ ۱۴۲؎

يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ۭ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ﴿۹۸﴾

۹۸ قیامت کے دن وہ اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا اور انہیں دوزخ میں لے جائے گا ۱۴۳؎۔ کیسی بُری جگہ ہے جہاں وہ پہنچ کر رہے۔

وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ﴿۹۹﴾

۹۹ اور ان کے پیچھے اس دنیا میں بھی لعنت لگادی گئی اور قیامت کے دن بھی۔ کیا ہی بُرا صلہ ہے جو ان کو ملا! ۱۴۴؎

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَاۗىِٕمٌ وَّحَصِيْدٌ ﴿۱۰۰﴾

۱۰۰ یہ ان آبادیوں کے واقعات ہیں جو ہم تمہیں سنا رہے ہیں ان میں سے کچھ تو قائم ہیں اور کچھ اجڑ گئیں۔ ۱۴۵؎

وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَاۗءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۭ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ﴿۱۰۱﴾

۱۰۱ ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا۔ اور جب تمہارے رب کا حکم آگیا تو ان کے وہ خدا جن کو وہ اللہ کو چھوڑ کر پکارا کرتے تھے ان کے کچھ کام نہ آئے۔ اور انہوں نے ان کی ہلاکت ہی میں اضافہ کیا۔ ۱۴۶؎

۱۳۷۔ یعنی تم محض میری برادری کے خوف سے میرے خلاف اقدام کرنے سے رک گئے اور اللہ کا خوف تم نے نہیں کیا۔تو کیا میری برادری تمہارے نزدیک اللہ سے زیادہ قہر اور غلبہ والی ہے؟

۱۳۸۔ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ اعراف نوٹ ۱۴۷۔

۱۳۹۔ مراد اللہ کی رحمت سے محرومی ہے۔

۱۴۰۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ثمود پر جو عذاب آیا تھا اس سے ملتا جلتا عذاب مدین والوں پر بھی آیا تھا۔

۱۴۱۔ یعنی موسیٰ کی رسالت پر دلالت کرنے والی جو نشانیاں تھیں۔ان میں بعض نشانیاں تو بالکل حجت قاھرہ کی حیثیت رکھتی تھیں۔ چنانچہ ان کی لاٹھی کا سانپ بن جانا اور جادوگروں کے مقابلہ میں ان کا غالب آجانا اس کی واضح مثال ہے۔اور اس حجت قاھرہ کے بعد ان کی رسالت کے معاملہ میں شک کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہوسکتی تھی۔

۱۴۲۔ یعنی فرعون کی باتیں سوجھ بوجھ کی باتیں نہیں تھیں اور نہ اس کی قیادت حق وانصاف اور عدل وراستی سے آشنا تھی۔مگر لوگ تھے کہ اسی کے پیچھے چلتے رہے اور اللہ کے رسول کی اتباع کے لئے آمادہ نہیں ہوئے۔

۱۴۳۔ دنیا میں فرعون کو اس کی قوم نے قائد بنایا تھا لہٰذا قیامت کے دن بھی وہ اپنی قوم کی قیادت کرے گا۔ یہ اور بات ہے کہ اس کی قیادت میں نکلنے والا یہ جلوس سیدھا جہنم کی طرف روانہ ہوگا اور ہلاکت کے ایسے گڑھے میں گرے گا کہ پھر اس سے نکلنا ممکن نہ ہوگا۔

۱۴۴۔ سرکشوں کے انجام کی یہ تصویر جو قرآن نے پیش کی ہے، قاری کو احوالِ قیامت کا مشاہدہ اس دنیا ہی میں کراتی ہے تاکہ وہ سبق لے۔مگر جن لوگوں نے سبق حاصل نہ کرنے کی قسم کھالی ہے وہ تو جہنم میں پہنچ کر ہی سبق حاصل کریں گے!

۱۴۵۔ یعنی کچھ بستیوں کے آثار تو اب بھی (نزول قرآن کے زمانہ میں) باقی ہیں مثلاً ثمود کے آثار اور کچھ بستیوں کے آثار بالکل مٹ چکے ہیں۔ مثلاً قوم نوح اور قوم لوط وغیرہ کے آثار۔مگر آثار کے مٹ جانے سے ان کی تاریخ مٹ نہیں گئی بلکہ قرآن کے اندر محفوظ ہے۔تاکہ رہتی دنیا تک لوگ ان تاریخی واقعات سے عبرت حاصل کرتے رہیں۔

۱۴۶۔ یعنی یہ قومیں اپنے دیوتاؤں اور بتوں کی پوجا اس لئے کرتی تھیں کہ وہ ان کو فائدہ پہنچائیں گے۔مگر جب اللہ کا عذاب آیا تو یہ اپنے پجاریوں کی کوئی مدد نہ کرسکے۔ بلکہ ان کی پرستش ان کے پرستاروں کے لئے عذاب میں اضافہ ہی کا موجب ہی بنی۔اس سے ثابت ہوا کہ ان کے دیوتا اور بُت پرست محض ڈھکوسلا تھے۔

وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِىَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ
اَخْذَهٗۤ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ﴿۱۰۲﴾

۱۰۲ اور تمہارے رب کی پکڑ ایسی ہی ہوتی ہے جب وہ آبادیوں کو ان کے ظالم ہونے کی بناء پر پکڑتا ہے۔ یقیناً اس کی پکڑ بڑی دردناک اور بڑی ہی سخت ہوتی ہے۔ ۱۴۷؎

اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ؕ ذٰلِكَ يَوْمٌ
مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ﴿۱۰۳﴾

۱۰۳ اس میں بڑی نشانی ہے ان لوگوں کیلئے جو عذابِ آخرت سے ڈریں ۱۴۸؎۔ وہ ایسا دن ہوگا جس میں تمام لوگوں کو جمع کیا جائے گا اور وہ دن حاضری کا ہوگا۔ ۱۴۹؎

وَمَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ﴿۱۰۴﴾

۱۰۴ اور ہم اس کے لانے میں تاخیر نہیں کر رہے ہیں مگر صرف تھوڑی مدت کے لئے۔

يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِىٌّ وَّسَعِيْدٌ ﴿۱۰۵﴾

۱۰۵ جب وہ (دن) آئے گا تو کوئی نفس اس کی اجازت کے بغیر کلام نہ کر سکے گا ۱۵۰؎۔ پھر کچھ لوگ بد بخت ہوں گے اور کچھ لوگ نیک بخت۔ ۱۵۱؎

فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِى النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ ﴿۱۰۶﴾

۱۰۶ تو جو بد بخت ہوں گے وہ دوزخ میں جائیں گے جہاں ان کے لئے چیخنا چلّانا ہوگا۔ ۱۵۲؎

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ
اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴿۱۰۷﴾

۱۰۷ اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے جب تک کہ آسمان و زمین قائم ہیں ۱۵۳؎، مگر جو تمہارا رب چاہے۔ بلاشبہ تمہارا رب جو چاہے کر گزرنے والا ہے۔ ۱۵۴؎

وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِى الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ
وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ﴿۱۰۸﴾

۱۰۸ اور جو نیک بخت ہوں گے وہ جنت میں جائیں گے جسمیں وہ ہمیشہ رہیں گے جب تک کہ آسمان و زمین قائم ہیں مگر جو تمہارا رب چاہے۔ یہ ایسی بخشش ہوگی جس کا سلسلہ کبھی منقطع نہ ہوگا۔ ۱۵۵؎

فَلَا تَكُ فِىْ مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ ؕ مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا
يَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ
مَنْقُوْصٍ ﴿۱۰۹﴾

۱۰۹ تو تم ان معبودوں کے بارے میں کسی شک میں نہ پڑو۔ جن کی یہ پرستش کر رہے ہیں۔ یہ اسی طرح پوجا کر رہے ہیں جس طرح ان سے پہلے ان کے باپ دادا کرتے تھے۔ اور ہم ان کا حصہ ان کو پورا پورا دیں گے کسی کمی کے بغیر۔ ۱۵۶؎

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ
سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِىَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَفِىْ شَكٍّ مِّنْهُ
مُرِيْبٍ ﴿۱۱۰﴾

۱۱۰ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی مگر اس میں اختلاف کیا گیا۔ اور اگر تمہارے رب کی طرف سے ایک بات پہلے سے طے نہ کر دی گئی ہوتی تو ان کے درمیان فیصلہ چکا دیا گیا ہوتا۔ اور یہ لوگ اس (قرآن) کی نسبت شک میں پڑے ہوئے ہیں جس نے انہیں الجھن میں ڈال دیا ہے۔ ۱۵۷؎

۱۴۷۔ یہ انسانی آبادیوں کے لئے انتباہ ہے کہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ یہ ماضی کے قصے ہیں اور ان پر کوئی عذاب آنہیں سکتا۔ بلکہ وہ بھی عذاب کی گرفت میں اسی طرح آسکتی ہیں جس طرح ماضی کی قومیں آگئیں۔ اور واقعہ یہ ہے کہ مختلف قسم کے عذابوں کا سلسلہ دنیا میں ظالم قوموں کے لئے جاری ہی ہے۔

۱۴۸۔ یعنی ان اہم ترین تاریخی واقعات میں جزائے آخرت کی دلیل موجود ہے۔ جب اللہ تعالیٰ قوموں کو ان کی سرکشی اور اسکے رسولوں کی نافرمانی پر سزا دیتا رہا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اپنے بندوں سے بے تعلق نہیں ہے۔ بلکہ ان کے اعمال کے مطابق ان کے ساتھ معاملہ کرتا ہے۔ لہٰذا دنیا کی تمام قوموں اور تمام انسانوں کو ان کے عمل کے مطابق جزا یا سزا دینے کیلئے قیامت کے دن اس کا عدالت برپا کرنا نہایت معقول بات ہے۔ نیز ان واقعات میں عبرت کا یہ پہلو ہے کہ جب وہ سرکش قوموں کو دنیا میں ایسی سخت سزا دیتا رہا ہے تو آخرت کی سزا، جہاں کی زندگی ہمیشہ کی زندگی ہوگی اس سے کہیں زیادہ سخت اور المناک ہوگی۔

۱۴۹۔ یعنی وہ دن اللہ کے حضور پیشی کا دن ہوگا۔ فرداً فرداً ہر شخص اس کے حضور حاضر ہو کر جو کچھ وہ دنیا میں کہتا اور کرتا رہا ہے اس کی جوابدہی کرنا ہوگی۔ نہ کوئی فرد چھوٹے گا اور نہ کوئی قوم اور نہ شاہ اور نہ فقیر۔

۱۵۰۔ یعنی دنیا میں بولنے کی جو آزادی انسان کو میسر ہے قیامت کے دن اس پر پابندیاں عائد کر دی جائیں گی۔ اس دن انسانوں کو مختلف مرحلوں سے گذرنا ہوگا۔ اور جس مرحلہ اور جس موقع پر اسے بولنے کی اجازت دی جائے گی، اسی وقت وہ بول سکے گا ورنہ مجال نہ ہوگی کہ وہ اپنی زبان کھول سکے۔

۱۵۱۔ یعنی لوگ درجہ کے فرق کے ساتھ دو گروہوں میں تقسیم ہونگے۔ ایک وہ جس نے خیر اور سعادت کی راہ اختیار کی تھی، اللہ کی رحمت سے سعادت مند ہوا۔ اور دوسرا وہ جس نے شر اور بدبختی کی راہ اختیار کی تھی، برے انجام کو پہنچ گیا۔

واضح رہے کہ لوگوں کی یہ تقسیم اور ان کا انجام ایمان اور کفر کے لحاظ سے ہے کیونکہ موقع کلام اسی کا متقاضی ہے۔ رہا ان لوگوں کا معاملہ جو ایمان لا کر گناہوں کے مرتکب ہوئے ہوں گے، تو اس سلسلہ میں قرآن کی دوسری آتیوں کی طرف سے رجوع کرنا چاہئے۔

۱۵۲۔ یعنی دوزخ میں ان کو ایسی سخت تکلیف ہوگی کہ دھاڑیں ماریں گے۔

۱۵۳۔ مراد آخرت کے آسمان و زمین ہیں کیوں کہ قیامت کے دن جیسا کہ قرآن میں دوسرے مقامات پر بیان ہوا ہے زمین و آسمان بدل جائیں گے۔ اور قرآن کی صراحت کے مطابق عالم آخرت دائمی ہے اس لئے اس کے آسمان و زمین بھی دائمی ہوں گے۔

۱۵۴۔ یہ ایسی ہی بات ہے جیسے قرآن میں یہ ارشاد ہے کہ ''وہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے۔'' (النحل: ۹۳) ظاہر ہے اس سے اس کے اختیار کو واضح کرنا مقصود ہے۔ اسی طرح یہاں بھی یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ اللہ کی مشیت میں کوئی مداخلت کرنے والا نہیں ہے وہ مختار ہے۔ اگر وہ ان دوزخیوں کے بارے میں کوئی اور فیصلہ کرنا چاہے تو اس کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ کسی فیصلہ کو عمل میں لانے کے لئے اس کی مشیت کافی ہے۔

۱۵۵۔ یعنی نیک بخت ہمیشہ جنت میں رہیں گے جب تک کہ عالم آخرت کے آسمان و زمین قائم ہیں۔ اور ان کا دائمی طور پر جنت میں رہنا اس بنا پر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت یہی ہے۔ ورنہ اس فیصلے کیلئے اس کو کسی نے مجبور نہیں کیا ہے۔ وہ اگر چاہے تو کوئی اور فیصلہ کر سکتا ہے۔ مگر اس کی مشیت یہ ہے کہ ان کو ایسی بخشش سے نوازا جائے کہ یہ سلسلہ کبھی منقطع نہ ہو اور نعمتوں کی بارش ان پر ہمیشہ ہوتی رہے۔ رحمت کے جو چشمے ان کیلئے جاری ہوں گے وہ کبھی خشک ہونے والے نہیں۔

۱۵۶۔ یعنی دنیا کے فوائد میں ان کا جو حصہ ہے وہ بھی انہیں ملے گا اور ساتھ ہی اپنے عمل کا نتیجہ بھی انہیں بھگتنا ہوگا۔ ہم نہ انہیں مادی فائدہ پہنچانے میں کاٹ کسر کریں گے اور نہ اس عذاب میں کوئی کمی کریں گے جس کے وہ مستحق ہیں۔

۱۵۷۔ یہاں مشرکین مکہ کے اس شک کا ازالہ کرنا مقصود ہے جو انہیں قرآن کے کتاب الٰہی ہونے کے بارے میں تھا۔ ان پر واضح کیا جا رہا ہے کہ قرآن کوئی

بقیہ: صفحہ ۷۰۴ پر

وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ ۭ اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝۱۱۱

۱۱۱ اور یقیناً تمہارا رب ہر ایک کو اس کے عمل کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ وہ ان کے اعمال سے پوری طرح باخبر ہے۔

فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ۭ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۱۱۲

۱۱۲ پس تم راہ راست پر جمے رہو جیسا کہ تمہیں حکم دیا گیا ہے نیز وہ لوگ بھی جو توبہ کر کے تمہارے ساتھ ہو گئے ہیں اور حد سے تجاوز نہ کرو ۱۵۸۔ تم جو کچھ کرتے ہو اسے وہ دیکھ رہا ہے۔

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَاۗءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝۱۱۳

۱۱۳ اور ظالموں کی طرف ذرا نہ جھکنا ورنہ جہنم کی آگ تمہیں اپنی لپیٹ میں لے لے گی ۱۵۹۔ اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی دوست نہ ہوگا اور نہ تمہاری مدد ہی کی جائے گی۔ ۱۶۰۔

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ۭ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّـيِّاٰتِ ۭ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ۝۱۱۴

۱۱۴ اور نماز قائم کرو دن کے دونوں سروں پر اور رات کی گھڑیوں میں ۱۶۱۔ بلاشبہ نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں ۱۶۲۔ یہ یاددہانی ہے، یاددہانی حاصل کرنے والوں کے لئے۔

وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۱۱۵

۱۱۵ اور صبر کرو ۱۶۳۔ کہ اللہ ان لوگوں کا اجر ضائع نہیں کرتا جو حسن و خوبی کے ساتھ کام کرتے ہیں۔

فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ۝۱۱۶

۱۱۶ پھر کیوں نہ ایسا ہوا کہ جو قومیں تم سے پہلے گزر چکیں ان میں سے اہل خیر نکلتے جو زمین میں شر و فساد (پھیلانے) سے روکتے بجز ان تھوڑے سے لوگوں کے جن کو ہم نے ان قوموں میں سے بچا لیا ۱۶۴۔ ورنہ ظالمانہ طرز عمل اختیار کرنے والے تو اسی سامان عیش کے پیچھے پڑے رہے جو انہیں دیا گیا تھا اور وہ مجرم بن کر رہے۔ ۱۶۵۔

وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ۝۱۱۷

۱۱۷ اور تمہارا رب ایسا نہیں ہے کہ وہ آبادیوں کو ناحق ہلاک کر دے جب کہ ان کے باشندے اصلاح کرنے والے ہوں۔

وَلَوْ شَاۗءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ۝۱۱۸

۱۱۸ اگر تمہارا رب چاہتا تو لوگوں کو ایک ہی امت بنا دیتا مگر وہ اختلاف کرتے رہیں گے۔ ۱۶۶۔

۱۵۸۔ یعنی اطاعت و بندگی کے دائرہ میں رہو اور اس سے تجاوز کر کے اللہ کی نافرمانی نہ کرو۔

۱۵۹۔ یہاں ظالموں سے مراد جیسا کہ اوپر سے سلسلۂ بیان چلا آرہا ہے مشرک، کافر اور سرکش لوگ ہیں۔ اور ان کی طرف جھکنے سے مراد شرک، کفر اور معصیت کے کاموں میں ان کی تائید کرنا ہے، خواہ یہ تائید زبان سے ہو یا عمل سے۔

اس ممانعت کے پیش نظر مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ مشرکوں، کافروں اور خدا بیزار لوگوں کے معاملہ میں اپنے دلوں میں کوئی نرم گوشہ نہ رکھیں۔ اور نہ ان کو خوش کرنے کے لئے ان کے مشرکانہ رسوم میں یا ان کی ان مجلسوں میں جو انسان کو ہدایت خداوندی سے بے تعلق ہونے اور اسے بے دینی پر آمادہ کرنے کے لئے ہوں شرکت کریں۔ ورنہ شرک اور کفر سے سازگاری پیدا کرنے کا نتیجہ یہ نکل سکتا ہے کہ وہ اپنا ایمان ہی کھو بیٹھیں۔

۱۶۰۔ یعنی خوب یاد رکھو کہ یہ ظالم جن کی طرف اگر تم جھک گئے تو وہ قیامت کے دن تمہارے کچھ کام آنے والے نہیں۔ اس دن تو جو بھی خدا کی گرفت میں آئے گا وہ بے یار و مددگار ہو کر رہ جائے گا۔

۱۶۱۔ دن کے دونوں سروں پر نماز قائم کرنے سے مراد فجر اور مغرب کی نمازیں ہیں۔ کسی چیز کا کنارا اس کی حد ہوتی ہے۔ دن کی حد کا آغاز وہاں سے ہوتا ہے جہاں رات ختم ہو جاتی ہے۔ یہ فجر کا وقت ہے اور دن کی حد جہاں ختم ہوتی ہے وہ مغرب کا وقت ہے۔

اور رات کی گھڑیوں میں نماز قائم کرنے سے مراد عشاء کی نماز ہے۔ زُلف (گھڑیاں) جمع کا صیغہ عشاء کے وقت کی طوالت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ یہ تین وقت کی نمازیں ہوئیں جن کی تاکید مکہ کے اس دور میں کی گئی جسمیں یہ سورہ نازل ہوئی تھی۔ اس کے بعد پانچ وقت کی نمازوں کا حکم نازل ہوا۔

۱۶۲۔ یہ اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ نماز وہ عبادت ہے جس کو اگر تم اہتمام کے ساتھ ادا کرو تو نیکیوں کا وہ چشمہ تمہارے اندر پھوٹ پڑے گا جو ان برائیوں کو صاف کرے گا جو تمہارے اندر پائی جاتی ہوں۔ اور ان گناہوں کو دھو ڈالے گا جو تم سے سرزد ہو گئے ہوں۔ اس سے نماز کے فیضان اور اس عبادت کی غیر معمولی اہمیت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ارایتم لو ان نهراً بباب احدکم یغتسلُ فیه کل یومٍ خمساً هل یبقی من درنه شیءٌ؟ قالوا: لا یبقیٰ من درنه شیءٌ قال: فذٰلک مثل الصلواتِ الخمس یمحوُ اللّٰہ بهنَّ الخطایا۔ (مشکوٰۃ بحوالہ بخاری و مسلم)

''اگر تم میں سے کسی شخص کے دروازے کے پاس ایک نہر ہو جس میں وہ روزانہ پانچ وقت غسل کرتا ہو تو اس کے جسم پر کچھ بھی میل کچیل رہے گا؟ صحابہ نے عرض کیا کوئی میل نہیں رہے گا۔ آپ نے فرمایا تو پنج وقتہ نماز کا یہی حال ہے کہ ان کے ذریعہ اللہ گناہوں کو مٹاتا ہے۔''

۱۶۳۔ یعنی مخالفین کی اذیتوں پر صبر کرو۔

۱۶۴۔ یعنی یہ قومیں جو ہلاکت سے دوچار ہوئیں۔ ان کی ہلاکت کی بڑی وجہ یہ تھی کہ ان کے اندر سے اہل خیر اور اصلاح پسند لوگ نہیں نکل سکے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ بگاڑ عام ہو گیا اور برائیوں کی جڑیں مضبوط ہو گئیں۔ اگر کچھ لوگ نکلے بھی تو وہ تعداد میں بہت کم تھے اس لئے بگڑے ہوئے لوگوں نے ان کا کوئی اثر قبول نہیں کیا۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس وقت بچا لیا جب کہ ان کی قوموں پر عذاب آیا۔

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے واضح ہوتا ہے کہ بگاڑ ۔۔۔۔ خواہ وہ عقیدہ کا ہو یا عمل کا ۔۔۔۔ جب کسی قوم میں پیدا ہو جائے تو ان لوگوں کو جو خیر پسند ہوں اصلاح کے لئے اٹھ کھڑے ہونا چاہئے اور حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو سخت تاکید کی ہے کہ وہ اصلاح کے تعلق سے اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کی پوری کوشش کریں فرمایا:

والذی نفسی بیدہ التامرن بالمعروف ولتنهون عن المنکر اولیو شکن اللّٰہ ان یبعث علیکم عقاباً منه فتد عونه فلا یستجب لکم۔ (الترمذی ابواب الفتن)

’’قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تمہیں معروف کا حکم کرنا ہوگا اور منکر سے روکنا ہوگا ورنہ عجب نہیں کہ اللہ تم پر اپنی طرف سے عذاب بھیج دے پھر تم اس سے دعا کرنے لگو اور تمہاری دعا وہ قبول نہ کرے‘‘۔(الترمذی ابواب الفتن)

۱۶۵؁ یعنی عام طور سے لوگوں نے غلط روش اختیار کی اور جو سامان عیش انہیں فراوانی کے ساتھ آزمائش کے طور پر دیا گیا تھا۔اس کو انہوں نے عیش پرستی کا ذریعہ بنالیا۔اور آخرت کے بجائے دنیا کو سب کچھ سمجھ لیا۔اس ذہنیت نے ان کو گناہ اور جرائم کی راہ پر ڈال دیا۔پھر انہیں خیر وصلاح کے کام سے کوئی دلچسپی نہیں رہی۔

۱۶۶؁ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ بقرہ نوٹ ۳۰۸؁ اور ۳۰۹؁ ۔

❑❑❑❑❑❑

بقیہ:صفحہ ۷۰۱ سے آگے

پہلی کتاب نہیں ہے جو لوگوں کی رہنمائی کے لئے بھیجی گئی ہو بلکہ اس سے پہلے بھی کتابیں بھیجی جاتی رہی ہیں۔ چنانچہ موسیٰ کو بھی کتاب دی گئی تھی یہ اور بات ہے کہ اس کے پیروؤں نے اس میں اختلاف کر کے اس کو اپنی اصل شکل میں باقی رہنے نہیں دیا۔اس صورت حال کا تقاضہ تھا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کی ہدایت کیلئے ایک اور کتاب بھیجے۔اسی تقاضے کو پورا کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو یہ کتاب دے کر بھیجا ہے۔اس لئے اس کا نزول تمہارے لئے باعث اطمینان ہونا چاہئے نہ کہ باعث تردد۔

اس حقیقت کے باوجود اگر لوگ شک ہی میں مبتلا رہنا چاہتے ہیں تو رہیں۔ایسے لوگوں کی قسمتوں کا فیصلہ کبھی کا چکا دیا گیا ہوتا۔مگر ایسا اسلئے انہیں کیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ پہلے ہی یہ طے کر چکا ہے کہ ہر قوم کو مہلت عمل دی جائے گی۔اسکے اسی فرمان کے مطابق ان لوگوں کو بھی ایک وقت خاص تک ڈھیل دی جارہی ہے۔

اور ہم رسولوں کی جو سرگذشتیں تمہیں سناتے ہیں تو ان کے ذریعہ تمہارے دل کو مضبوطی عطاء کرتے ہیں۔ان کے اندر تمہیں حق مل گیا اور مؤمنوں کو نصیحت اور یاددہانی ہوئی۔ جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان سے کہو کہ تم اپنی جگہ عمل کرو۔ہم اپنی جگہ عمل کرتے رہیں گے۔ اور تم بھی انتظار کرو۔ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔آسمانوں اور زمین کا غیب اللہ ہی کے لئے ہے اور سارے معاملات اسی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں تو اسی کی تم عبادت کرو اور اسی پر بھروسہ رکھو۔تم جو کچھ کر رہے ہو اس سے تمہارا رب بے خبر نہیں۔(القرآن)

إِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ
رَبِّكَ لَأَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿١١٩﴾

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ
وَجَآءَكَ فِي هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿١٢٠﴾

وَقُلْ لِّلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ اعْمَلُوا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ إِنَّا عٰمِلُونَ ﴿١٢١﴾

وَانْتَظِرُوا إِنَّا مُنْتَظِرُونَ ﴿١٢٢﴾

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَإِلَيْهِ يُرْجَعُ الْأَمْرُ
كُلُّهُ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿١٢٣﴾

۱۱۹ اس سے بچیں گے وہی لوگ جن پر تمہارا رب رحم فرمائے ۱۶۷۔ اور اسی لئے تو اس نے انہیں پیدا کیا ہے۔ ۱۶۸۔ اور تمہارے رب کی بات پوری ہو کر رہی کہ میں جہنم کو جن اور انسان سب سے بھر دوں گا۔ ۱۶۹۔

۱۲۰ اور ہم رسولوں کی جو سرگذشتیں تمہیں سناتے ہیں تو ان کے ذریعہ تمہارے دل کو مضبوطی عطاء کرتے ہیں۔ ان کے اندر تمہیں حق مل گیا اور مؤمنوں کو نصیحت اور یاددہانی ہوئی۔

۱۲۱ جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان سے کہو کہ تم اپنی جگہ عمل کرو۔ ہم اپنی جگہ عمل کرتے رہیں گے۔

۱۲۲ اور تم بھی انتظار کرو۔ ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔

۱۲۳ آسمانوں اور زمین کا غیب اللہ ہی کے لئے ہے اور سارے معاملات اسی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں تو اسی کی تم عبادت کرو اور اسی پر بھروسہ رکھو۔ تم جو کچھ کر رہے ہو اس سے تمہارا رب بے خبر نہیں۔

۱۶۷۔ یعنی جو شخص مذاہب کے اختلافات کی چکر میں نہیں پڑا، بلکہ اس راہ راست کو اس نے اختیار کرلیا جس کی طرف قرآن رہنمائی کرتا ہے۔اور جو درحقیقت ہر انسان کی فطرت کی آواز ہے۔اور جس کی حقانیت پر کائنات کا پوا نظام شاہد ہے تو اس پر یقیناً اللہ کا بڑا فضل ہوا اور وہ اس کی بے پایاں رحمت کا مستحق قرار پایا۔

مذاہب عالم کے اختلافات کو دیکھ کر آدمی یقیناً پریشان ہوجاتا ہے اور بڑی الجھن محسوس کرنے لگتا ہے۔اس الجھن سے نکلنا اللہ کی توفیق کے بغیر ممکن نہیں اور جو شخص بھی طالب حق ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی دستگیری فرماتا ہے اور اس پر راہ حق کھول دیتا ہے۔

۱۶۸۔ یعنی اسی امتحان کے لئے انہیں پیدا کیا ہے کہ کون اپنے کو اللہ کی رحمت کا مستحق بناتا ہے اور کون اس کے غضب کا۔اگر یہ امتحان مقصود نہ ہوتا تو وہ تمام انسانوں کو ایک ہی گروہ بنا دیتا اور سب لوگ راہ حق پر چلنے کے لئے مجبور ہوتے۔لیکن چونکہ امتحان مقصود ہے اس لئے اس نے انسان کو صحیح یا غلط رائے قائم کرنے، حق یا باطل کا انتخاب کرنے اور ان میں سے کسی راہ پر چلنے کی آزادی بخشی ہے۔اس لئے انسانوں کی بہت بڑی تعداد کا راہ حق سے الگ ہوکر اپنے لئے دوسری راہیں تجویز کرنا اور دین حق (اسلام) سے اختلاف کرکے دوسرے مذاہب وجود میں لانا یا ان کو قبول کرنا اگرچہ اللہ کی بخشی ہوئی آزادی سے غلط فائدہ اٹھانا ہے۔مگر یہ صورتحال اس اسکیم کے دائرہ سے باہر نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو تخلیق کرتے وقت بنائی تھی لہٰذا مذاہب کا اختلاف تو دنیا میں چلتا ہی رہے گا اور اس کے بُرے انجام سے ان کو دوچار ہونا ہوگا۔لیکن جو شخص بھی اپنا انجام بخیر چاہتا ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ ان تمام مذاہب اور ہر قسم کی فکری و عملی گمراہیوں کو چھوڑ کر صرف اس راہ کو اختیار کرے جو قرآن نے دکھائی ہے۔اور جو دراصل تمام انبیاء علیہم السلام کی راہ ہے اور جس کا نام دین اسلام ہے۔

۱۶۹۔ مراد وہ تمام جن اور انس ہیں جنہوں نے گمراہی اختیار کرکے اللہ کے غضب کو دعوت دی۔

❑❑❑❑❑❑